یا اللہ مدد | حیات النبی ﷺ زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد
محدث عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ — خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلک احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلک دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب مدظلہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب مدظلہ

مدیر اعلیٰ
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی
0301-7790908

مدیر مسئول
مولانا احسن خدامی
0320 4902150

مدیر
حمزہ احسانی
0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82، محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

(ٹائٹل نمبر ۳ کا **بقیہ**)

ایک روایت میں ہے کہ فرماتی تھیں: **لأن أكون قعدت في منزلي عن مسيري إلى البصرة أحب إليّ من أن يكون لي من رسول الله ﷺ عشرة من الولد كلهم مثل عبدالرحمن بن الحارث بن هشام.[طبقات ابن سعد الكبرىٰ: ۳/۵، سير اعلام النبلاء: ۴۸۴/۳، تاريخ اللطيفة للسخاوي: ۱۲۱/۲]** میں بصرہ جانے کے بجائے اپنے گھر میں بیٹھی رہتی یہ مجھے اس سے بھی زیادہ پسند ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میرے دس بیٹے ہوتے جو سب کے سب عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام جیسے ہوتے۔

اس قسم کی روایات اُن کی ندامت کی دلیل ہیں، گو ندامت کی وجہ کچھ بھی ہو، چاہے یہ مانی جائے کہ انہوں نے اپنی خطاء سمجھ لی، یا جانے کے نتیجہ میں جو نامناسب حالات پیش آئے ان کی وجہ سے ندامت ہو، اتنی بات ہے کہ انجام سے ظاہر ہوا کہ گو اچھی نیت سے سفر تھا مگر مصلحت سفر نہ کرنے میں تھی، اور مصلحت گھر کے اندر رہنے میں تھی، مگر چوں کہ انجام ظاہر ہونے سے پہلے تک سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو انجام معلوم نہیں ہوتا اس لیے انسان معذور ٹھہرتا ہے، اس لیے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اس سفر کرنے میں معذور تھیں، یہ ایسی خطاء نہیں ہے جس کی وجہ سے اُن پر طعن کیا جائے جیسا کہ روافض کی عادت سیئہ ہے۔

بہر حال حدیث کلاب حوأب صحیح حدیث ہے، اور اس کا مصداق ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، حضور ﷺ کے اس کے متعلق پیشین گوئی سے مقصود آئندہ ایسا واقعہ پیش آنے کی خبر دینا تھا، اور وہ ہو کر رہا، قاضی طاہر علی صاحب بے شک اس کے متعلق ہونے والے طعن کا اچھے ایمانی جذبہ کے تحت جواب دیں، اچھی توجیہات کریں، مگر ایک ثابت بات کو جھٹلانا بالکل نامناسب ہے۔ ختم شد

پیامِ صفدر　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مدیر مسئول کے قلم سے

شام میں بہیمیت کا کھیل......مردان یونیورسٹی کا واقعہ

شام کے صوبہ ادلب میں شام کے سفاک حکمران بشار الاسد نے ایک بار پھر انسانیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک قصبہ ''خان الشیخون'' پر کیمیائی بموں سے حملہ کیا ہے جس میں عورتوں بچوں اور بوڑھوں سمیت ۱۰۰/ سے زائد افراد لقمۂ اجل بن گئے اور ۴۰۰/ سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ اس حملے میں طیاروں کے ذریعے میرین گیس کے بم برسائے گئے، یہ تباہ کن بم جہاں جہاں گرے وہاں وسیع علاقے میں یہ گیس پھیل گئی...... یہ اس قدر مہلک گیس تھی کہ علاقے میں موجود لوگوں کے اعصاب فوری طور پر شل ہوگئے، وہ سانس لینے تک سے معذور ہوگئے ان کے جسم موم کی طرح پگھلنے لگے اور چند ہی لمحوں میں انہوں نے سسک سسک اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ فضا میں اس گیس کا اثر ختم ہونے کے بعد جب بچے کھچے مقامی لوگوں نے امدادی کام شروع کئے تو بعض لوگوں نے تڑپتے جسموں، بلکتے بچوں، اکھڑتے سانسوں اور پگھلتے انسانوں کی ویڈیو بنا کر انہیں نشر کر دیا جس سے دنیا کو ان مظلوموں پر بیت جانے والی قیامت کا علم ہوا......شاید ہی کوئی سنگ دل ہو جس کا دل ان مناظر کو دیکھ کر پگھل نہ گیا ہو......انا للہ وانا الیہ راجعون

اس قسم کے کسی بھی کیمیائی ہتھیار کا استعمال عالمی طور پر ممنوع ہے اور صدام حسین مرحوم کے پاس اسی قسم کے کیمیائی ہتھیاروں کی محض ''اطلاع'' کو جواز بنا کر عراق پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ اب وہی کیمیائی ہتھیار نہ صرف موجود ہیں بلکہ علی الاعلان استعمال بھی ہو رہے ہیں، ان سے بچوں عورتوں اور کمزوروں کو کھلم کھلا نشانہ بھی بنایا جا رہا ہے اور عالمی امن کے ٹھیکیدار ہیں کہ بیان بازیاں اور دکھاوے کی کاروائی کر کے دنیا کو بہلانا چاہتے ہیں......اللہ جل شانہ ان مظلوموں کی مدد و نصرت فرمائیں، ان کو حق پر مجتمع فرمائیں اور خوابِ غفلت میں مدہوش ہم مسلمانوں کو ہوش میں آنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین

مردان یونیورسٹی کا واقعہ:

مردان کی باچا خان یونیورسٹی میں توہین رسالت کے مبینہ واقعے پر مشتعل طلبہ کے ایک گروہ نے ایک طالب علم کو قتل کر دیا۔ مبینہ اور غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق مقتول طالب علم پر کافی عرصے سے مقدس ہستیوں اور دین اسلام کی گستاخیوں کے الزامات لگ رہے تھے۔ لیکن یونیورسٹی انتظامیہ اور مقامی پولیس نے کوئی کاروائی نہیں کی۔ گذشتہ روز بھی مذکورہ طالب علم کی جانب سے گستاخی کا واقعہ پیش آیا، جس پر یونیورسٹی انتظامیہ کو باقاعدہ شکایت کی گئی، انتظامیہ نے انکوائری کمیٹی تشکیل دی جس نے شکایت کرنے والوں اور گستاخ دونوں کا موقف سنا، گستاخ نے اپنی خباثت کا اقرار کیا۔ اس پر انتظامیہ نے اس کے خلاف سخت

قانونی کاروائی کرنے اور حوالہ پولیس کرنے کے بجائے گستاخی کے مرتکب طالب علم اور اس کے دو ساتھیوں پر تاحکم ثانی یونیورسٹی میں داخلے پر پابندی عائد کر کے ان کو کیمپس سے نکل جانے کا کہا۔ تینوں اپنا سامان اُٹھانے ہاسٹل آئے، جہاں کسی طالب علم سے اُن کی تلخ کلامی ہوئی، جس میں ایک بار پھر اُنہوں نے بدترین گستاخی کا ارتکاب کر ڈالا، اس پر طلبہ اور یونیورسٹی ملازمین مشتعل ہوگئے اور اُنہوں نے ایک طالب پر تشدد کر کے اُسے جہنم واصل کر دیا۔ دوسرے کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ جبکہ تیسرا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

واقعہ کی حقیقت یہی ہے یا کچھ اور...... یہ شاید کچھ دنوں تک ہی واضح ہو سکے، کیونکہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی واقعہ کے فوراً بعد سیکولر طبقے کی طرف سے میڈیا پر ایک طوفان برپا کر دیا گیا ہے جس کے شور شرابے اور غل غپاڑے میں حقیقت حال تک پہنچنا مشکل ہوگیا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اس واقعہ کی کھود کرید کے بجائے سردست کچھ عمومی سی باتیں اپنے قارئین کے گوش گذار کر دیں۔

ا:...... یہ ناقابل تردید حقیقت پاکستان کے حکمران طبقے کے ہر فرد اور سیکولرزم کے ہر داعی کو کان کھول کر سن اور اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ کسی گناہ گار سے گناہ گار مسلمان کا بھی تعلق انتہائی جذباتی ہے۔ اس تعلق کو نہ کسی حکومت کا آرڈر ختم یا کم کر سکتا ہے اور نہ کسی مولوی کا کوئی فتویٰ...... اس میں نہ عمار ناصر جیسے کسی مفکر کے لمبے چوڑے مضامین اور 'علمی' تحقیقات سے کمی آسکتی ہے...... اور نہ پرویز جیسے کسی ظالم کے ظلم و جبر سے...... تم پاکستان چھوڑ کر ساری دنیا کے علماء و مفکرین سے فتویٰ لے لو کہ...... ''توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کرنا حرام ہے''...... لیکن تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ جب بھی کسی مسلمان کے سامنے شان اقدس میں گستاخی کی جسارت کی جائے گی وہ تمام فتاویٰ کو بالائے طاق رکھ کر وہی کرے گا جو ایسے موقع پر ایک مسلمان ہمیشہ کرتا آیا ہے...... تم چیخو گے، چلاؤ گے، سر پٹخو گے، طیش میں آکر مدرسے بند کرو گے، علماء پر تشدد کرو گے، ان کو دھمکا کر یا لالچ دے کر اپنی مرضی کے فتوے لکھواؤ گے لیکن جب تک دنیا کے کسی مسلمان میں ایمان کی ایک رمق بھی باقی ہے تم اس کے دل سے یہ جذباتیت اور یہ حساسیت کم نہیں کر سکتے...... تم توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی طرف سے مسکرا کر برداشت کر لینے کی اپنی حسرت کو کبھی اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ان شاء اللہ نہیں دیکھ سکتے......

۲:...... اگر تم واقعی یہ چاہتے ہو کہ معاشرے سے یہ تشدد اور عدم برداشت ختم ہو جائے تو اس کا ایک ہی طریقہ اور راستہ ہے کہ کھلے دل سے مسلمانوں کے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس تعلق اور اس کی حساسیت کو تسلیم کیا جائے......! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے احترام اور تقدس کا لحاظ کیا جائے......! آپ کی شان اقدس میں ادنیٰ گستاخی کرنے والے کو بہر صورت پھانسی کے پھندے پر لٹکایا جائے......! ایسے شیطان صفت انسانوں کے بیرون ملک فرار کا راستہ قطعی طور پر بند کیا جائے......! لیکن

افسوس صد افسوس...... کہ حالات بالکل اس کے الٹ جارہے ہیں...... توہین رسالت کے معاملے پر جو قانون بنایا گیا تھا، تیس سال سے زائد عرصہ گذر چکا کہ آج تک ایک مجرم کو بھی اس کی سزا نہیں دی گئی، یوں ملک کے ہر فرد نے محسوس کیا کہ یہ قانون صرف دکھاوے کا قانون ہے، ملک کے ارباب انتظام اس کے نفاذ کے سلسلے میں قطعاً مخلص نہیں، یہ قانون بنایا تو ہمیں مطمئن رکھنے کے لئے گیا ہے لیکن اس کا نفاذ اور عدم نفاذ دراصل غیر ملکی آقاؤں کی اجازت پر موقوف ہے، اس احساس کی وجہ سے ملک کا ہر صاحب دل انسان اپنے دل میں کرب، ذلت اور بے بسی کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے......

۳:...... توہین رسالت کے کسی مجرم کو اس کے اس قبیح جرم کی سزا ملنا تو درکنار، یورپی ممالک کی شیطنت کی انتہا یہ کہ ان کی طرف سے گویا صلائے عام ہے کہ کوئی بھی شخص توہین رسالت کا ارتکاب کرے اور فوری طور پر ہم سے ویزا اور سیاسی پناہ حاصل کرے...... چنانچہ حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ بیرون ملک جانے کے لالچی اور حریص عیسائی یا قادیانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کر کے مسلمانوں تک بالواسطہ اس کی اطلاع پہنچاتے ہیں اور جب ان پر اس کا پرچہ کاٹا جاتا ہے تو اس ایف آئی آر کی کاپی لے کر بغلیں بجاتے ہوئے کسی بھی یورپی ملک کے سفارت خانے جا کر فوری طور پر ان سے ویزا اور سیاسی پناہ حاصل کرتے ہیں، مذہبی کارکنوں کی ایک ایک حرکت وسکون پر کڑی نگاہ رکھنے والی نااہل اور نالائق حکومت کی ناک کے تلے یہ شیطانی کاروبار پوری آب وتاب سے جاری ہے اور کسی کو ٹس سے مس ہونے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس وحشت ناک صورت حال کو دیکھ کر ہر مسلمان کا دل بری طرح زخمی ہوتا اور کرب سے تڑپتا ہے......

۴:...... اگر معاملہ صرف یہاں تک رہے تو بھی صبر کیا جائے لیکن سیکولر حضرات کو اس پر بھی قناعت نہیں ہے، ان کی سرتوڑ کوششیں ہیں کہ توہین رسالت کا جو برائے نام قانون تبرک کے طور پر آئین میں لکھا ہوا ہے اس کو بھی کسی طرح ختم اور فنا کر دیا جائے...... اس کے لئے اس قانون کے خلاف میڈیا پر زبردست مہم جوئی کی جارہی ہے، بھانت بھانت کے کرائے کے مفکر اس کے خلاف طرح طرح کی نکتہ آفرینیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ قانون شریعت کے خلاف ہے (اور شریعت کی خلاف ورزی کی وجہ سے اس نیک طینت سیکولر مفکر کو بہت ہی پریشانی ہے)...... کوئی کہتا ہے کہ یہ قانون فقہ حنفی سے مطابقت نہیں رکھتا (اور فقہ حنفی کا نفاذ ان لبرل بھائی کی زندگی کا مشن ہے)...... کہیں سے آواز اٹھتی ہے کہ اس قانون کا غلط استعمال بہت ہورہا ہے، (کسی دوسرے قانون کے بے موقع استعمال کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)...... کہیں سے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ قانون تشدد کو فروغ دیتا ہے۔ (اور شام، برما اور فلسطین میں محبت کے جو دریا بہہ رہے ہیں وہ کبھی ان محترم کو نظر نہیں آئیں گے)...... کبھی فرمایا جاتا ہے کہ یہ قانون انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ (گویا انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں توہین کرنا انسانی حقوق میں شامل ہے)...... کبھی کہا جاتا

ہے کہ ماورائے عدالت کسی بھی اقدام کی کسی طور حمایت نہیں کی جا سکتی (عدالتی طریقے سے اقدام صحیح معنوں میں کر کے دکھاؤ، پھر ماورائے عدالت کی بات کرو)......کبھی کہتے ہیں کہ قانون کو ہاتھ میں لینا بالکل بھی درست نہیں (اور قانون کو پاؤں تلے روند کر ہزاروں مذہبی کارکنوں کو جعلی پولیس مقابلوں میں ہلاک کر دینا تو بڑے ہی ثواب کا کام ہے)......اور سب سے زیادہ زور اس آواز پر ہوتا ہے کہ......''علماء کرام کو اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے''......بہت خوب جناب! سود، فحاشی، بے پردگی، موسیقی کے بارے میں تو علمائے کرام کی ایک بھی نہ سنی جائے، اور جب اپنی مرضی کے لئے استعمال کرنے کا وقت آئے تو علماء کرام علماء کرام کی رٹ لگا کر علماء اور عوام دونوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی جائے......علماء کرام نہ ہوئے، بولنے والے طوطے ہو گئے کہ جب اپنا جی چاہا ان سے جو چاہا بلوا لیا اور جب جی بھر گیا تو ان کا پنجرہ اٹھا کر دوسرے کمرے میں دھر دیا......کیا یہ علماء کرام کی عزت ہے؟ کیا یہ شریعت کی اتباع ہے؟ کیا یہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے؟ کیا یہ دین ہے؟ معاف کیجئے جناب! اگر علماء کرام کی خدمات حاصل کرنی ہیں تو پورے نظام اور پورے دین کے نفاذ کے لئے حاصل کیجئے ورنہ اپنے مقصد کے لئے علماء کرام کا نام اور فتوی کا استعمال کرنا ازراہ مہربانی چھوڑ دیجئے!

۵:......جب بھی اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا ہے لبرل اور سیکولر احباب کو مولویوں پر دھاڑنے کا خوب موقع مل جاتا ہے حالانکہ یہ مسئلہ مولویوں کا نہیں ہر مسلمان کی دینی حمیت اور ایمانی غیرت کا ہے......آپ نے مولویوں کی گردن اپنے بوٹوں تلے دبا دی......آپ نے مدارس کو سخت شکنجے میں کس لیا......آپ نے دینی تنظیموں کے کس بل نکال دیئے......لیکن کیا ہوا......؟ کیا ناموسِ رسالت پر جان دینے والے ختم ہو گئے؟ نہیں...... بلکہ فدایانِ ناموسِ مصطفیٰ مسلمانوں کے ہر طبقے سے نکلے......غازی عامر چیمہ شہید اور شہدائے چارلی ایبڈو یورپ میں رہائش پذیر مسلمانوں میں سے اٹھے......غازی ممتاز قادری شہید سرکاری ملازمین کے طبقے سے اٹھے......اور مردان یونیورسٹی کے واقعے میں یونیورسٹی کے طلبہ نے کردار ادا کیا......اور ہاں! جب غیرت جاگنے پر آئی تو حکمران طبقے کی ایک سیکولر پارٹی سے تعلق رکھنے والے بشیر بلور نے کھل کر وہ جرأت مندانہ مؤقف اختیار کیا کہ لبرل و سیکولر دانت پیس اور پاؤں پٹخ کر رہ گئے......اللہ جل شانہ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی حفاظت کرنی ہے......وہ بے نیاز ذات جس کو چاہے منتخب کرے اور جس سے چاہے کام لے......اگر بالفرض دنیا کے سارے مسلمان بھی بزدلی اور کم ہمتی میں مبتلاء ہو کر اس فرض کی ادائیگی سے غافل ہو جائیں تو رب کعبہ کی قسم اللہ جل شانہ کسی کافر فرنگی کو اسلام کی توفیق عطا کر کے اس کام کے لئے کھڑا کر دیں گے جو بارگاہِ رسالت میں دریدہ دہنی کرنے والوں کو کیفرِ کردار تک پہنچائے گا......وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم......وما علینا الا البلاغ ☆☆

مولانا محمد عبدالحمید تونسوی مدظلہ

مروّجہ جرابوں پر مسح جائز نہیں

یعنی......مروّجہ (اونی، سوتی اور نائیلون کی) جرابوں پر مسح ناجائز ہے
اور......جرابوں پر مسح کرنے والے امام کی اقتداء میں نماز بھی درست نہیں

وضو کے بیان میں ارشاد باری ہے ''جب تم اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرلو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو'' [المائدہ:٦،ترجمہ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم]

آیت کا مطلب:

حکم ربانی کا تقاضا یہ تھا کہ وضو میں ہمیشہ پاؤں دھوئے جائیں اور کسی بھی صورت میں پاؤں پر مسح نہ کیا جائے۔لیکن موزوں پر مسح آنحضرت ﷺ کے ارشاد وعمل سے ثابت ہے جس کی وجہ سے پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مقدس کی مذکورہ آیت میں پاؤں دھونے کا حکم اس وقت ہے جب موزے نہ پہنے ہوں،اور اگر چمڑے کے موزے پہنے ہوں تو اس صورت میں وضو کرتے ہوئے پاؤں پر مسح کرنا جائز ہوگا۔

واضح رہے کہ جن روایات میں جرابوں پر مسح کا ذکر ہے وہ سب ضعیف ہیں ان پر عمل جائز نہیں۔ ائمہ اربعہ،علماء اہل سنت،علماء عرب اور اہل حدیث حضرات کے نامور علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مروجہ جرابوں پر مسح ناجائز ہے۔

ضروری اصطلاحات:

[۱]......ثِخِّیْنَیْن:(ایسی جرابیں جن میں تین شرطیں موجود ہوں)

(۱)جو موٹی ہوں اور حنفیہ کے نزدیک کم ازکم تین میل اور شافعیہ کے نزدیک تین دن رات بغیر جوتے پہنے جن کو پہن کر چل سکے۔(۲)وہ جرابیں جو اپنے موٹاپے کی وجہ سے بغیر ربڑ(گیٹس)وغیرہ کے پنڈلی پر قائم رہ سکیں اور ان کا یہ قائم رہنا چستی یا تنگی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ موٹاپے کی وجہ سے ہو۔(۳)وہ اتنی موٹی ہوں کہ ان میں پانی وغیرہ نہ چھنے(یعنی پانی دوسری طرف نہ جائے)ایسی جرابوں کو ثِخِّیْنَیْن اور صفقین کہتے ہیں۔[الفقہ علیٰ المذاھب الاربعہ:۱۳۶]

[۲]رِقِّیْقَیْن:ایسی جرابیں جن سے پانی گزر جائے اور پاؤں اور انگلیوں کے حجم کی صورت ظاہر کردیں اور

انکے اوپر سے انگلیاں اور ناخن جدا جدا محسوس ہوں۔[فتاوی الشیخ ابن جبرین:۱/۱۴۱]

[۳]**مُـجَلّدَیْنْ**:''ایسی جرابیں جن پر اتنا چمڑا لگا ہوں جتنا پاؤں وضو میں دھونا فرض ہے''**وَالْـمُـجَلَّدَیْنِ: الْمُجَلَّدُ مَا جُعِلَ الْجِلْدُ عَلَی أَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ.''** [ردالمحتار:۱/۲۷۰]

ایسی جرابیں جن میں مندرجہ بالا تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط کم ہو اور ان پر چمڑا بھی نہ لگا ہو تو ایسی جرابوں پر بالاتفاق مسح ناجائز ہے۔ [البدائع و الصنائع:۱/۱۰،البحر الرائق:۱/۱۹۲]

علماء اہل السنّت والجماعت کے فتاویٰ جات:

(۱)......حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ہماری مروّجہ متعارف جرابیں اس شان کی نہیں ہوتیں، جن میں شروطِ موزے پائے جائیں۔ لہٰذا ان پر مسح جائز نہیں۔'' [امداد الفتاویٰ:۱/۹۹،طبع کراچی]

(۲)......مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ:''جراب پر مسح بالکل جائز نہیں''[امداد الاحکام:۱/۳۸۹]

(۳)......حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اونی وسوتی جرابوں پر مسح درست نہیں ہے۔''[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱/۲۳۲طبع ملتان]

(۴)......مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''نائیلون کے موزوں میں چونکہ شرائط موزے نہیں پائی جاتیں، اس لئے ان پر مسح جائز نہیں''

[فتاویٰ رحیمیہ:۴/۶۲]

(۵)......مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر پلاسٹک کو جراب کے ساتھ سی لیا جائے تو اس پر مسح جائز ہے اس کو مبطن کہا جاتا ہے بدوں سلائی کیے جراب پر مسح جائز نہیں، اس لیے کہ مسح چرمی موزہ پر مشروع ہے اور جراب مسح کرنے سے موزہ پر مسح متحقق نہیں ہوا......'' [احسن الفتاویٰ:۲/۶۵،۶۶]

(۶)......مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''بازاری جراب موزے کے حکم میں نہیں، اصل یہ ہے کہ موزوں پر مسح بھی جائز نہ ہوتا کیونکہ قرآن کریم میں غسل رجلین کا حکم ہے اور موزوں پر مسح کر لینے سے غسل رجلین حقیقتاً پایا نہیں جاتا لیکن چونکہ احادیث متواترہ میں آنحضرت ﷺ کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے اس لیے ہم جواز مسح علی الخفین کے قائل ہوئے ہیں مسح علی الجوربین کے بارے میں اس درجہ کی روایات موجود نہیں''۔ [خیر الفتاویٰ:۲/۱۳۴]

(۷)......مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

’’پس اگر یہ چاروں شرطیں جوربین میں پائی جاویں تو مسح درست ہوگا یعنی وہ قدم کو مع ٹخنوں کے ساتر ہوں، دوسرے یہ کہ قدم کو مشغول ہوں یعنی قدم کو ڈھانپ کر کچھ حصہ ان کا نہ بچے، تیسری یہ کہ ان میں چلنے کی عادت بھی ہو، چوتھی یہ کہ ایسے گاڑھے ہوں کہ کوئی چیز ان میں سرایت نہ کر سکے اور چونکہ یہ امور جراب مروجہ مفقود ہیں موزے مفقود ہیں لہذا مسح ان پر جائز نہیں‘‘۔ [فتاوی مفتی محمود:۱/۴۴۸]

(۸)......مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

’’احادیث متواترہ سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے، موزے عموماً چمڑے کے ہوتے ہیں اس لیے مطلق جراب پر مسح جائز نہیں۔‘‘ [فتاوی حقانیہ:۲/۵۵۴]

(۹)......مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’جب اُصول پر نظر کی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اصل فریضہ پاؤں دھونا ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے، خفین پہننے کی صورت میں احادیث متواترہ سے ثابت ہوگیا کہ مسح بھی کافی ہے، اب اس حکم کو خفین سے متجاوز کر کے جرابوں میں جاری کرنا بھی اسی شرط کے ساتھ ہونا چاہئے کہ ان جرابوں کا بحکم خفین ہونا اور تمام شرائط خفین کا ان میں متحقق ہونا یقینی طور پر ثابت ہوجائے اور جس جراب میں شک رہے کہ وہ بحکم خفین ہے یا نہیں اور شرائط خفین اس میں متحقق ہے یا نہیں اس پر مسح کی اجازت نہ دی جائے، بقاعدہ **الیقین لایزول بالشک** اور اسی احتیاط کی بناء پر حضرت امام مالکؒ امام شافعیؒ نے ثخین جرابوں پر بھی جواز مسح کے لئے پورا مجلد ہونا شرط قرار دیا ہے منعل کو بھی کافی نہیں سمجھا اور امام اعظمؒ کے اصل مذہب میں روایت حسن بھی یہی ہے ثخین کو جب تک پورا مجلد کعبین تک نہ کیا جائے اس وقت تک مسح جائز نہیں۔

[جواھر الفقه:۲/۳۱۸، طبع جدید کراچی]

علماءعرب کے فتاویٰ جات:

(۱)......شیخ عبدالعزیز ابن بازؒ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

’’باریک جرابوں پر مسح کرنا ناجائز ہے کیونکہ باریک مروجہ جرابوں میں ملبوس پاؤں ننگے کے حکم میں ہیں‘‘

[فتاویٰ برائے خواتین:۷۵]

(۲)......شیخ عبداللہ بن غدیان وشیخ عبدالرزاق العفیفی وشیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں کہ:

’’جرابوں کا اتنا سخت اور موٹا ہونا واجب ہے کہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچے۔‘‘

[فتاویٰ اللجنة الدائمه:۵/۲۴۷]

(۳)......شیخ عبداللہ بن جبرینؒ فرماتے ہیں کہ:

''اب ایسی جرابیں وجود میں آچکی ہیں جو اونی روئی، السی سے بنی ہوئی ہیں اور بہت سارے لوگ مذکورہ شرائط کے بغیر پہنتے ہیں، پانی ان سے گزر جاتا ہے......منعل بھی نہیں......بغیر جوتی کے ان میں لگا تار چلنا ممکن نہیں، جب تک ان پر جوتی بوٹ یا جوگر نہ ہوں، بعض لوگ آسانی اور سہولت پسندی کی وجہ سے طہارت کے معاملہ میں اتنی کوتاہی کرتے ہیں کہ وہ ایسی جرابوں پر مسح کرتے ہیں کہ جن کے باریک وخفیف ہونے کی وجہ سے چمڑے تک پانی پہنچ جاتا ہے اوران میں انگلیاں اور ناخن جدا جدا نظر آتے ہیں'' ان کا یہ مسح والا عمل اہل علم کے نزدیک وضو باطل کردیتا ہے۔ [فتاویٰ الشیخ ابن جبرین:۱/۱۱۱تا۱۴]

(۴)......شیخ مفتی محمد خاطرؒ صاحب نے بھی شرائط مذکورہ بالا کو لازم قرار دیا ہے کہ (جو مروجہ جرابوں میں قطعاً نہیں پائی جاتیں) جیسا کہ ائمہ احناف ودیگر ائمہ کا فرمان ہے۔ [فتاویٰ الازہر:۱/۸۶]

(۵)......شیخ عبدالرحمٰن الجزیریؒ نے بھی ''ثخین'' پانی جذب نہ ہوسکنے،نظر نہ گزر سکنے ''بغیر باندھے کھڑی رہنے جیسی شرائط کو لازم قرار دیا ہے۔'' [الفقه علی المذاهب الاربعة:۱/۱۲۰]

(۶) شیخ عطیہ صقرؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس باریک جراب پر مسح کرنا صحیح نہیں جو قدم تک پانی کے پہنچنے کو نہ روک سکے، پاؤں کی انگلیوں اور ناخنوں کی کیفیت ظاہر کرے بغیر باندھے (ربڑ وغیرہ کے) کھڑی نہ رہ سکے خواہ وہ جراب رقیق ہو یا ثخین اس میں ائمہ اربعہ میں سے کسی نے مخالفت نہیں کی۔پس اس تفصیل کے مطابق ان جرابوں پر جو اب معروف ہیں جب تک وہ پانی کے قدم تک پہنچنے کو نہ روکیں ان پر مسح جائز نہیں'' [فتاویٰ عطیہ صقر:۱/۹۳]

(۷)......شیخ عبدالعزیز ابن بازؒ فرماتے ہیں کہ:

''اگر شفاف ہوں یعنی نظر اور پانی جراب سے گزر جائے تو اس پر مسح جائز نہیں اور فرمایا کہ رقیق جراب کھلے پاؤں کے حکم میں ہے۔'' [فتاویٰ شیخ ابن باز فی المسح علی الخفین :۱/۸]

(۸)......شیخ عبداللہ بن الطیارؒ نے بھی مذکورہ بالا شرائط کو لازم قرار دیا ہے اور فرمایا عدم شرائط کی صورت میں مسح جائز نہیں یہی شیخ ابن بازؒ کی رائے ہے۔'' [فتاویٰ الحج:۸/۱۲]

علماء اہل حدیث کے فتاویٰ جات:

(۱)......غیر مقلدین کے 'شیخ الکل' مولانا نذیر حسین دہلوی [م ۱۹۰۲ھ] فرماتے ہیں کہ:

''مذکورہ (اونی، سوتی) جرابوں پر مسح جائز نہیں کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں اور مجوزین (جائز قرار دینے والوں) نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں۔'' [فتاویٰ نذیریہ:۱/۳۲۷]

دوسرے مقام پر فرمایا: ''(اونی، سوتی) جرابوں پر مسح کے جواز پر نہ قرآن پاک سے کوئی دلیل ہے،

نہ سنت سے، نہ اجماع سے اور نہ قیاس صحیح سے۔'' [فتاویٰ نذیریہ:۱/۳۳۳]

(۲)......مولانا ابوالبرکات احمد صاحب [م ۱۳۹۷ھ] لکھتے ہیں کہ:

''موزوں پر مسح کرنے والی بہت زیادہ احادیث ہیں لیکن جرابوں پر مسح کرنے کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں۔'' [فتاویٰ برکاتیہ:۱۸]

(۳) حافظ عبداللہ روپڑی [م ۱۳۸۴ھ] لکھتے ہیں کہ:

''مسح شرع میں یہ ہے کے پانی اوپر رہے اندر نہ جائے اور (مروجہ) پتلی جرابوں میں پانی اندر چلا جائے تو مسح نہ ہوا۔'' [فتاویٰ اہل حدیث:۱/۳۵۱]

(۴) مولانا شمس الحق عظیم آبادی [م ۱۳۲۹ھ] لکھتے ہیں کہ:

''غیر مجلد جرابوں پر مسح جائز نہیں۔'' [عون المعبود:۱/۱۸۷]

(۵)......مولانا عبدالجبار غزنوی صاحب [م ۱۳۳۱ھ] لکھتے ہیں کہ:

''جرابوں پر مسح کرنا حدیث صحیح سے ثابت نہیں'' [مجموعہ فتاویٰ مولوی عبدالجبار:۱۰۲۔فتاویٰ علماء اہل حدیث:۱/۹۹]

(۶)......علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوریؒ لکھتے ہیں کہ:

''جرابوں پر مسح کرنا کسی ایسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں جو محدثین کی جرح وتنقید سے خالی ہو۔'' [تحفۃ الاحوذی:۱/۱۰۲]

مروّجہ جرابوں پر مسح کرنے والے امام کی اقتداء کا حکم

جس امام نے مسح کیا ہوا ہو وہ پاؤں کے غسل کا تارک ہے لہٰذا اسکی اقتداء درست نہیں اور جو نمازیں ایسی حالت میں پڑھ چکے ہوں ان کا اعادہ کریں۔'' [خیر الفتاویٰ:۲/۲۰۳]

اہل اسلام سے دردمندانہ درخواست:

مذکورہ دلائل وحقائق سے واضح ہوا کہ مروّجہ (اونی، سوتی، نائیلون کی) جرابوں پر مسح ناجائز ہے۔ مسح کرنے کی صورت میں وضو ناقص رہے گا اور اسکے بعد نماز بھی درست نہ ہوگی۔ لہذا سہولت پسندی کو چھوڑ کر شرعی احکام کے مطابق وضو درست بنائیے اور مروجہ جرابوں پر مسح کے بجائے چمڑے کے موزے استعمال کیجئے تا کہ ہماری نماز سنت کے مطابق صحیح طریقہ سے ادا ہو سکے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا فضل محمد یوسف زئی مدظلہم قسط:۱

معتمد اور غیر معتمد تفاسیر کا جائزہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الَّذِیْنَ اَوْفَوْا عَھْدَہٗ ، اَمَّا بَعْد: فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ:

وَاِنَّہٗ لَکِتَابٌ عَزِیْزٌ لَّایَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلاَ مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ. [حم السجدۃ:۴۲] ''اور یقیناً وہ (قرآن) عزت وعظمت والی کتاب ہے جس میں نہ آگے اور نہ پیچھے سے غلطی کا دخل ہے، حکمت والے تعریفوں والے بادشاہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ محفوظ آسمانی صحیفہ ہے، ہر قسم کے لوگ آئے اور گئے مگر یہ کتاب محفوظ ہے، اس کے الفاظ کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، ابھی چار دن پہلے کوئٹہ میں مولانا اکرم صاحب کے گھر میں قرآن عظیم کا ایک پرانا نسخہ میں نے دیکھا جو قلمی نسخہ ہے اور ۳۷۱ھ میں لکھا گیا ہے، میں نے خود اس میں پونا پارہ قرآن پڑھا، بالکل محفوظ کتاب ہے جس کی عمر ایک ہزار چھیاسٹھ ۱۰۶۶ ؍سال ہے، آج کل دنیا میں جو قرآن موجود ہے اس قرآن میں اور اُس قدیم پرانے قرآن میں ایک حرف کا فرق نہیں ہے، اگر چہ اس کتاب کے معانی اور مطالب میں اہل باطل نے دست اندازی کی کوشش کی ہے اور آئے روز کرتے رہتے ہیں، لیکن وہ اہل باطل کی اپنی سیاہ کاری ہے، قرآن مجید کے محفوظ الفاظ کی ترجمانی نہیں ہے۔

بہرحال زیرِ نظر کتاب کا نام میں نے ''اہل حق اور اہل باطل کی تفاسیر'' تجویز کیا تھا، پھر میں نے اس کتاب کا نام صحیح اور غیر صحیح تفاسیر تجویز کیا، لیکن حالات کے پیش نظر اس کا ظاہری نام میں نے ''معتمد اور غیر معتمد تفاسیر'' رکھا ہے، میں نے اس کتاب میں ان لوگوں کا تعاقب کیا ہے جنہوں نے قرآن عظیم کے معانی اور تفسیر وتشریح میں دست اندازی کی کوشش کی ہے، بہرحال میں نے اس کتاب میں قرآن عظیم کی تفسیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف لکھ دی ہے، مفسرین کے طبقات کا ذکر کیا ہے اور پھر اہم اور مشہور تفاسیر کے نام لکھے ہیں، اس کے صفحات اور مجلدات کا تذکرہ کیا ہے اور ہر مفسر کا تفسیر میں اس کے اپنے رجحان کو بھی بیان کیا ہے، گویا یہ کتاب علوم القرآن پر مشتمل ایک چھوٹا سا نادر تحفہ ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ یہ کتاب ہر عالم اور ہر طالب علم کے پاس ہر وقت موجود ہو، اہل حق کی تفاسیر کے مقابلے میں برصغیر میں اہل باطل کی تفاسیر کا تذکرہ بھی میں نے کیا ہے اور ان مقامات کو ظاہر کیا ہے جہاں ان اہل باطل نے تفسیر میں تحریف کی ہے، یا اہل حق کے صحیح منہج سے الگ راستہ اختیار کیا ہے، بڑی محنت کر کے ایک دقیق بحث کے ذریعہ سے ان تحریفات کو کھولا

ہے، قابل گرفت عبارات کو پیش کر کے حوالہ دیا ہے اور پھر قابل گرفت مواضع پر تبصرہ کیا ہے اور مقدور بھر تنقید کی ہے، تا کہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا حق ادا ہو جائے۔

برصغیر میں اہل باطل کی تفاسیر کی ابتداء سرسید احمد خان کی تفسیر سے ہوتی ہے، پھر حمید الدین فراہی کی تفسیر ہے، پھر غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والوں کی چند تفاسیر ہیں، پھر عنایت اللہ مشرقی کی تفسیر ہے، پھر غلام احمد خان پرویز کی تفسیر ہے، پھر وحید الدین خان کی تفسیر ہے، پھر مودودی صاحب کی تفسیر ہے، پھر جناب امین احسن اصلاحی کی تفسیر ہے، پھر جناب جاوید احمد غامدی کی تفسیر ہے۔ کنز الایمان کے نام سے بھی (صراطِ مستقیم سے ہٹی ہوئی) ایک تفسیر ہے، لیکن میں نے اس کو نہیں چھیڑا ہے۔

مجھے ان لوگوں سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے، نہ میں نے ان کی ذاتی زندگی پر گفتگو کی ہے، ان میں سے کچھ ایسے حضرات بھی ہوں گے کہ معاشرہ میں بہت سارے لوگ ان کے چاہنے والے ہوں گے اور میری تحریر ان پر گراں بھی گزرے گی، لیکن میں ان سے گزارش کرتا ہوں کہ میں نے جو لکھا ہے اور ان کی تفسیری غلطیوں کی نشاندہی کی ہے، یہ حضرات پہلے ان غلطیوں کو پڑھیں اور پھر خود سوچیں کہ کس معیار پر یہ تفسیر لکھی گئی ہے، اس کے بعد میرے تبصرے کو بھی پڑھیں، اگر ان کے ذہن میں صحیح نقشہ آ گیا اور انہوں نے حقیقت کو پا لیا تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کو قبول کر لیں اور اپنی گزشتہ فروگزاشتوں پر نظر ثانی کریں اور حق کا ساتھ دیں، ان اہل باطل مفسرین میں بعض تو ایسے ہیں جو بالکل راہ حق سے گمراہ ہو چکے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو راہ راست سے کسی حد تک دور نکل چکے ہیں، گویا کوئی اول کوئی دوم کوئی سوم درجے کے پریشان حال ہیں، ان کی تفاسیر کے پڑھنے والے حضرات جب ان کی عبارات پڑھیں گے اور میرے تبصرے دیکھیں گے تو ان شاء اللہ! ابہام کے بادل چھٹ جائیں گے اور حق کی طرف رجوع کرنے میں آسانی ہو گی، ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

بہرحال میرا اصل مقصد جناب حمید الدین فراہی صاحب اور ان کے شاگرد امین احسن اصلاحی صاحب اور ان کے شاگرد جاوید احمد غامدی کی تفاسیر اور اُن کی غلطیاں خاص کر مسلمانوں کے سامنے لا کر ظاہر کرنا ہے، کیونکہ ان حضرات کی تعلیمات کا شیدائی جاوید احمد غامدی آج کل ٹی وی اور میڈیا پر آ کر مسلمانوں میں مذہبی انتشار پیدا کر رہے ہیں، یہ تینوں حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے منکر ہیں، اپنی ضرورت کے لیے حدیث کو بڑے شوق سے بیان کر دیں گے، لیکن حدیث کی ضرورت کو یہ حضرات بالکل تسلیم نہیں کرتے ہیں، چنانچہ ان کی ضخیم تفاسیر میں آپ کو احادیث کا تذکرہ نہیں ملے گا، ہزاروں صفحات میں پندرہ بیس احادیث بھی ڈھونڈ لانا مشکل ہے۔

غامدی صاحب نے اپنے نظریات زیادہ تر امین احسن اصلاحی سے لیے ہیں، مودودی صاحب کے ساتھ بھی سالہا سال تک رہے ہیں، ان کی آزاد خیالی بھی ان میں آئی ہے، انکار حدیث میں ان کا مشہور، معتمد

اور محسن منکر حدیث حبیب الرحمٰن کاندھلوی ہے، ان کے غلط نظریات مِنۡ وعنۡ غامدی صاحب نے قبول کر لیے ہیں، وفات مسیح کی پوری داستان غامدی صاحب نے غلام احمد قادیانی سے مستعار لی ہے، سر سید احمد خان سے بھی غامدی صاحب اپنی تفسیر میں استفادہ کرتے ہیں، معجزات کے انکار میں فراہی واصلاحی وغامدی سب کے سب تقریباً سر سید کے نظریات سے خوشہ چین ہیں۔ البتہ آج کل غامدی صاحب وحدتِ ادیان کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، اس طرح غامدی صاحب مسلم امت کے مذہبی فکر کی تشکیل نو کر رہے ہیں جن کے افراد مغرب سے مرعوب، سلف سے دور اور دین سے ناواقف ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ غامدی صاحب تحریک استشراق کا جدید اسلامی نمونہ ہیں، پورے دین وشریعت سے انکار کے لیے غامدی صاحب اپنی کتاب میزان میں لکھتے ہیں:

''حدیث سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔'' [میزان ص: ۶۴، طبع دوم]

خدا کی پناہ کہ اس طرح کا آدمی بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور مفسر قرآن بنتا ہے!؟

مفسرین کے طبقات:

علماء اسلام اور اہل ایمان اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک بڑی رحمت اور بڑی ہدایت ہے، قرآن عظیم کے الفاظ کی تلاوت سے انسان کو بے پایاں ثواب ملتا ہے اور اس کے معانی اور ترجمہ اور مفہوم سمجھنے سے انسان کو رہنمائی اور ہدایت ملتی ہے، لہٰذا کسی صحیح عقیدہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے قرآن عظیم کا ترجمہ وتفسیر انتہائی اہم چیز ہے، اہل اسلام کے علماء نے اپنے اپنے زمانے میں عوام کی ہدایت کے لیے قرآن عظیم کے تراجم وتفاسیر کا بڑا اہتمام کیا ہے اور آج تک الحمد للہ! یہ عظیم کام جاری ہے۔ سب سے پہلے قرآن عظیم کی تفسیر عربی زبان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے، اسی لیے ان کے القاب میں سے ایک لقب 'ترجمان القرآن' ہے اور دوسرا لقب ''**حِبْرُ الْاُمَّةِ**'' ہے۔

پھر علماء کرام کے درمیان یہ بات محل بحث رہی ہے کہ آیا کسی عجمی زبان میں قرآن کا ترجمہ کرنا جائز ہے یا نہیں ہے؟ کچھ علماء عدم جواز کے قائل تھے کہ قرآن عظیم کی فصاحت وبلاغت کا حق کسی اور زبان میں ادا نہیں ہوسکتا ہے، لیکن جمہور علماء نے فیصلہ صادر فرمایا کہ انسانوں کی ہدایت کے پیش نظر قرآن عظیم کا ترجمہ وتفسیر کسی بھی زبان میں کرنا صرف جائز نہیں بلکہ ضروری ہے، چنانچہ علماء نے یہ بات بھی بتائی ہے کہ شاید بابا سعدیؒ نے سب سے پہلے فارسی میں قرآن عظیم کا ترجمہ کیا ہے، واللہ اعلم۔ شاہ ولی اللہؒ نے فارسی میں ترجمہ بھی کیا ہے اور فتح المنان کے نام سے مختصر تفسیر بھی لکھی ہے۔ پھر برصغیر میں سب سے پہلے قرآن عظیم کا اردو ترجمہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بیٹے شاہ عبدالقادرؒ نے کیا ہے اور موضح القرآن کے نام سے مختصر مگر جامع تفسیر بھی شاہ ولی اللہ کے بیٹے شاہ عبدالقادرؒ نے لکھی ہے، کہتے ہیں کہ یہ الہامی ترجمہ وتفسیر ہے، بارہ سال تک شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے ایک پتھر پر بیٹھ کر قرآن کی یہ خدمت سرانجام دی ہے۔ میں نے حضرت مولانا مفتی

محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ سے ایک بیان میں خود یہ بات سنی ہے کہ اس پتھر پر زیادہ استعمال کی وجہ سے گڑھا پڑ گیا تھا، اگر برصغیر میں شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ اردو زبان میں قرآن کا ترجمہ نہ کرتے تو شاید بعد میں کسی کو ترجمہ کی توفیق نہ ہوتی۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے علماء اسلام کو قرآن عظیم کی اس خدمت کا بڑا موقع فراہم کیا ہے، چنانچہ امت کے علماء نے قرآن عظیم کی ہزاروں تفاسیر لکھ کر قرآن عظیم سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے، آسمان کے نیچے دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جس کی اتنی شروحات وتفاسیر لکھی گئی ہوں اور روزمرہ وہ کتاب اس طرح بڑے پیمانے پر پڑھی جارہی ہو اور اس کتاب کی اتنی تلاوت ہورہی ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا زندہ معجزہ ہے جو ہر انسان دیکھ سکتا ہے، نیز اگر کوئی شخص اس کتاب کی دس ہزار مرتبہ اول سے آخر تک تلاوت کرے وہ دس ہزار مرتبہ تلاوت کے بعد بھی اس کتاب کی تلاوت میں مزید لطف محسوس کرتا ہے، بجائے اُکتا جانے کے مزید شوق وذوق بڑھ جاتا ہے۔شاعر نے سچ کہا ہے:

وَخَيْرُ جَلِيْسٍ لَايَمَلُّ حَدِيْثُهٗ   وَتَرْدَادُهٗ تَزْدَادُ فِيْهِ تَجَمُّلَا

اب میں ان چند تفاسیر کا نام لکھنا چاہتا ہوں جو اہل حق نے لکھی ہیں، لیکن پہلے میں طبقات المفسرین کے دس طبقات کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مفسرین کا پہلا طبقہ:

اسلام میں مفسرین کا پہلا طبقہ صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تفسیر کی احادیث سن لیں اور پھر امت تک پہنچادیں، چنانچہ طبقۂ صحابہؓ میں دس صحابہ کرامؓ تفسیر میں زیادہ مشہور تھے جن کے نام یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہم۔

طبقۂ صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تفسیر میں خاص شاگرد حضرت ابن عباسؓ ہیں جنہوں نے تفسیر ابن عباس کے نام سے اسلام میں پہلی تفسیر لکھی ہے جو آج تک متداول اور مشہور ہے۔

مفسرین کا دوسرا طبقہ:

اس دوسرے طبقے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں کا مشہور طبقہ ہے جو تابعین کا طبقہ کہلاتا ہے جن میں چُنیدہ چُنیدہ اشخاص کے نام یہ ہیں: ۱:حضرت مجاہد بن جبر [متوفی ۱۰۲ھ]......۲:طاؤس بن کیسان [متوفی ۱۰۶ھ]......۳:زید بن اسلم [متوفی ۱۳۶ھ]......۴:ملیکہ بن ابی

رباح...... ۵:سعید بن جبیر...... ۶:عکرمۃ، اسی طبقہ میں حسن بصری اور محمد بن سیرین، ابوالعالیہ، ضحاک بن مزاحم اور سُدی الکبیر مشہور ہیں، اگرچہ ان میں بعض کی سند ابن عباسؓ سے منقطع ہے۔

مفسرین کا تیسرا طبقہ:

اس تیسرے طبقے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں جن میں علقمہ بن قیس [متوفی ۶۲ھ]، زید بن قیس، ابراہیم نخعی، زرّ بن حُبیش اور اسود رحمہم اللہ سرفہرست ہیں، اس طبقہ میں سفیان بن عیینہ، شعبہ بن الحجاج، یزید بن ہارون اور وکیع بن الجراح رحمہم اللہ بھی شامل ہیں۔

مفسرین کا چوتھا طبقہ:

اس چوتھے طبقے میں محمد بن جریر طبری، ابوالقاسم انماطی، عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم اور ابن حبان رحمہم اللہ سرفہرست ہیں، اس طبقہ میں دیگر مفسرین کے نام بھی ہیں، لیکن ان کی تفاسیر رطب ویابس سے خالی نہیں ہیں۔

مفسرین کا پانچواں طبقہ:

اس طبقہ میں محمد بن حُسین نیشاپوری، ابواسحاق احمد بن ثعلبی نیشاپوری، ابومحمد عبداللہ جوینی، ابوالحسن واحدی نیشاپوری رحمہم اللہ شامل ہیں، ان حضرات کی بعض تفاسیر بھی رطب ویابس سے خالی نہیں ہیں۔

مفسرین کا چھٹا طبقہ:

چھٹا طبقہ متأخرین مفسرین کا ہے جو چھٹی صدی میں گزرے ہیں، جن میں ابوالقاسم اسماعیل بن محمد اصفہانی، امام راغب اصفہانی، ابوحامد محمد بن محمد غزالی، محمد بن عمر جار اللہ زمخشری اور حسین بغوی رحمہم اللہ سرفہرست ہیں، ان حضرات کے علاوہ بھی بہت مفسرین اس طبقہ میں گزرے ہیں۔ ان مفسرین نے اپنے اپنے علمی ذوق پر میں ترجیحی بنیادوں پر تفاسیر لکھی ہیں، کسی پر احادیث کا رنگ غالب تھا، کسی پر فقہ کا رنگ غالب تھا، کسی پر علم کلام کا رنگ غالب تھا، کسی نے منطق میں شوق ظاہر کیا تو کسی نے فلسفہ کو اپنایا اور کسی نے تصوف کی روشنی میں تفسیر لکھی۔

مفسرین کا ساتواں طبقہ:

اس طبقہ میں محمد بن فخرالدین رازی صاحبِ تفسیر الکبیر، محمد بن احمد قرطبی، موفق الدین احمد بن یوسف موصلی صاحب تفسیر الکواشی، قاضی ناصرالدین عبداللہ بن عمر و بیضاوی سرفہرست ہیں، دیگر مفسرین بھی ہیں۔

مفسرین کا آٹھواں طبقہ:

اس طبقہ میں ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نفسی صاحب مدارک ہیں، ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی صاحب تفسیر ابن کثیر ہیں۔ عبدالواحد بن منیر اور قطب الدین بن محمود بن مسعود

شیرازی صاحب تفسیر فتح المنان، شرف الدین حسن بن محمد طیبی صاحب تفسیر ''فتوح الغیب عن قناع الریب'' ہیں، مذکورہ حضرات اس طبقہ کے مشہور مفسرین ہیں۔

مفسرین کا نواں طبقہ:

نویں صدی کے مفسرین میں جلال الدین محمد بن احمد محلی، اور جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی ہیں، ان کی تفسیر جلالین سے مشہور ہے۔ شیخ علی بن احمد مہائمی رحمہ اللہ صاحب تفسیر مہائمی ہیں ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادیؒ صاحب بحر مواج، علامہ سعد الدین تفتازانی صاحب کشف الاسرار اور عبدالرحمٰن بن عمر بلقینی صاحب مواقع العلوم، اور ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی حنفی صاحب تفسیر روح المعانی ہیں، یہ حضرات اس صدی کے مشہور مفسرین ہیں۔

مفسرین کا دسواں طبقہ:

اس طبقہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ شامل ہیں، اس طبقہ کو اگر وسیع کر کے دیکھا جائے تو اس میں محمد بن علی شوکانی کی تفسیر شوکانی ہے، تفسیر مظہری ہے، تفسیر بیان القرآن ہے جو حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر ہے، تفسیر عثمانی ہے، تفسیر حقانی ہے، تفسیر احمد علی لاہوری ہے، تفسیر معارف القرآن ہے اور اہل حق کی دیگر بہت ساری تفاسیر بھی ہیں جو ہمارے اس موجودہ دور کی مشہور تفاسیر ہیں، مگر جو فی الحال میرے ذہن میں آیا وہی میں نے لکھ دیا۔

بہر حال مذکورہ تفاسیر اہل حق کی تفاسیر ہیں، روایات و تفاسیر کے حوالے سے مضبوطی اور کمزوری اپنی جگہ پر الگ چیز ہے، لیکن مجموعی طور پر یہ اہل حق کی تفاسیر ہیں، اس کے علاوہ چند مشہور تفاسیر جو اہل باطل کی ہیں ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان حضرات میں بعض تو حق کے جادۂ مستقیمہ سے بالکل ہٹ کر دور جا نکلے ہیں جیسے سر سید احمد خان کی تفسیر، غلام احمد قادیانی کی تفسیر، غلام احمد پرویز کی تفسیر، عنایت اللہ مشرقی کی تفسیر، عبداللہ چکڑالوی کی تفسیر، حمید الدین فراہی کی تفسیر، امین احسن اصلاحی کی تفسیر اور جاوید احمد غامدی کی تفسیر قابل ذکر ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ نسبتاً کچھ کم نقصانات پر مشتمل تفاسیر بھی ہیں جیسے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تفسیر، ڈاکٹر اسرار صاحب کی تفسیر، احمد رضا خان صاحب کی تفسیر اور دیگر کچھ ڈاکٹروں اور پروفیسروں کی تفاسیر ہیں، مجھے چونکہ صرف جاوید احمد غامدی صاحب کی تفسیر البیان کی قابل گرفت جگہوں سے متعلق کچھ لکھنا ہے، لہٰذا دیگر تفاسیر کا صرف نام لے کر عوام کو آگاہ کر دیا، تنبیہ کے لیے یہ کافی ہے، کچھ تفصیلات بھی آنے والی ہیں۔

چند ضخیم تفاسیر کا بیان:

مندرجہ بالا مذکورہ تفاسیر کا تذکرہ میں نے اختصار کے ساتھ کیا ہے، ورنہ ان دس طبقات مفسرین

میں دسیوں تفاسیر ایسی بھی ہیں جن کا نام میں نے طوالت کے خوف سے نہیں لیا ہے، البتہ اہل اسلام نے قرآن عظیم کی جو عظیم الشان تفسیری خدمات انجام دی ہیں اس میں سے چند ایسی تفاسیر کا نام لکھتا ہوں جو انتہائی ضخیم ہیں اور کئی کئی جلدوں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں مفسر اور تفسیر کا نام ملاحظہ فرمائیں اور ان کی عظیم خدمات کو سلام کیجئے۔

(۱)......ان مبارک اور خوش نصیب ہستیوں میں شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بخاری حنفی [متوفی ۵۴۶ھ] ہیں جو ''**الزاهد العلاء**'' کے لقب سے معروف ہیں انہوں نے قرآن عظیم کی تفسیر لکھی ہے جو ایک ہزار سے زیادہ اجزاء پر مشتمل ہے تاج التراجم میں قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمہ اللہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۲)......''**حَدَائق ذَاتَ بَهْجَة**'' یہ تفسیر عبدالسلام بن محمد القزوینی [متوفی ۴۸۳ھ] کی ہے جو تین سو جلدوں پر مشتمل ہے بلکہ صاحب کشف الظنون کے ایک قول کے مطابق یہ تفسیر پانچ سو جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۳)......محمد بن جریر طبریؒ [متوفی ۳۱۰ھ] کی تفسیر جامع البیان ہے جو تفسیر ابن جریر طبری کے نام سے مشہور ہے۔ پہلے انہوں نے تیس ۳۰ ہزار صفحات پر ایک تفسیر لکھی پھر اس کا اختصار اور خلاصہ تین ہزار اوراق یعنی چھ ہزار صفحات میں کیا آج کل یہ اختصار شدہ تفسیر تیس جلدوں میں موجود ہے۔

حضرت سید بنوری رحمہ اللہ یتیمۃ البیان میں لکھتے ہیں کہ: اندازہ یہ ہے کہ اختصار سے پہلے اصل تفسیر تین سو جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ علماء لکھتے ہیں کہ: تفسیر ابن جریر کے بعد تمام تفاسیر کسی نہ کسی طریقہ سے اسی سے ماخوذ ہیں ابن جریر طبری سنی ہیں ان پر شیعیت کا الزام غلط ہے۔ ایک اور ابن جریر طبری شیعہ ہے۔

(۴)......قاضی ابوبکر بن العربی [متوفی ۵۴۳ھ] کی ایک ضخیم تفسیر ہے جس کا نام انوار الفجر ہے ''القبس'' میں انہوں نے خود اپنی تفسیر کا تذکرہ فرمایا ہے، الدیباج المذھب میں مذکور ہے کہ بعض علماء نے اس تفسیر کو سلطان ابوعنان کی لائبریری میں ۸۰ مجلدات میں دیکھی ہے، شیخ زاہد الکوثری فرماتے ہیں کہ: یہ تفسیر اسی ہزار (۸۰۰۰۰) اوراق پر مشتمل ہے۔ ایک محی الدین ابن عربی صوفی ہیں وہ مخدوش ہیں، العربی معتمد ہیں جو العربی الف لام کیساتھ ہے۔

(۵)......شیخ اکبر طائی اندلسی [متوفی ۶۲۸ھ] کی تفسیر ہے جو ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہے لیکن وہ صرف سورت کہف تک پہنچ سکی ہے اندازہ کیجئے کہ صاحب فتوحات مکیہ شیخ اکبر کی پوری تفسیر کتنی بڑی ہوسکتی ہے۔

(۶)......شیخ جمال الدین ابوعبداللہ حنفی مقدسی رحمہ اللہ [متوفی ۶۹۸ھ] کی تفسیر ہے جس کا نام ''**التحرير والتحبير**'' ہے۔ علامہ کفوی فرماتے ہیں کہ: یہ تفسیر ۸۰ جلدوں پر مشتمل تھی۔

(**بقیہ** صفحہ نمبر 30 پر)

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب — مفتی رب نواز حفظہ اللہ

مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت

قسط:۱۴(آخری)

زبیر علی زئی:

یہ ظاہر ہے کہ حافظ ابنِ تیمیہ[۳۸۹]، حافظ ذہبی[۳۹۰]، حافظ ابنِ حجر عسقلانی، شیخ الاسلام بلقینی، علامہ ابن ابی العز الحنفی اور ملا علی قاری[۳۹۱] وغیرھم (متقدمین[۳۹۲]) کے مقابلے میں چودھویں[۳۹۳] صدی ہجری کے وحید الزمان (غیر اہلِ حدیث[۳۹۴]) اور میاں نذیر حسین دہلوی، ثناء اللہ امرتسری اور نواب صدیق حسن وغیرھم کے اقوال کی اہلِ حدیث کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے[۳۹۵]، لہٰذا رب نواز دیوبندی کا بُنا ہوا بیت العنکبوت[۳۹۶] بے کار ہے۔

بطورِ یاد دہانی[۳۹۷] عرض ہے کہ خود نواب صدیق حسن خان نے لکھا:

''وحدت الوجود کا مسئلہ کتاب وسنت کے واضح اور صریح نصوص کی بنیاد پر بے شک کفر بواح ہے لیکن[۳۹۸]......'' (ابقاء المنن ص۱۹۳، دوسرا نسخہ ۲۵۸)

رب نواز صاحب کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ اس وحدت الوجود کا ثبوت پیش کریں، جس میں آلِ دیوبند کے بقول: بندہ باطن میں[۳۹۹] خدا ہو جاتا ہے۔!!! (۱۵/اگست ۲۰۱۱ء)

الجواب:

۳۸۹

علی زئی صاحب یہاں تاثر دے رہے ہیں کہ ہم متقدمین کی مانتے ہیں حالانکہ یہ ضرورت کے وقت متقدمین کا نام لیتے ہیں ورنہ جب متقدمین کی کوئی بات علی زئی صاحب کی سوچ کے خلاف ہو تب کھلے لفظوں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

متقدمین میں پہلا نام علی زئی صاحب نے حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا لیا ہے۔ جب کہ علی زئی صاحب کئی مقام پر ان کی مخالفت کر چکے ہیں مثلاً:

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ تقلید کو جائز، بہتر اور واجب مانتے ہیں۔[مجموع فتاویٰ ۲۲/۲۴۹، بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم: ۳۰ علی زئی] مزید دیکھئے حاشیہ: ۱۰

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی سے مسئلہ پوچھنا تقلید ہے۔[تحریک آزادیٔ فکر: ۲۳۰]

مگر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ تقلید نا جائز ہے اور مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں ہے۔[دین میں تقلید کا مسئلہ: ۸۱ وغیرہ]

متقدمین میں ایک نام حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا پیش کیا ہے۔ حالانکہ علم حدیث کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ وہ شافعی المسلک مقلد ہیں، خود غیر مقلدین کی درجنوں کتابوں میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر یہاں دو کتابوں کے حوالے نقل کرتا ہوں۔

عبد الرشید عراقی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حافظ ابنِ حجر کے اکابر شیوخ اور تلامذہ کی غالب تعداد شوافع کی نظر آتی ہے۔ طبعی طور پر حافظ صاحب بھی متشدد شافعی تھے، بلکہ ان کا تشدد تعصب کی حدوں میں داخل تھا۔'' [کاروانِ حدیث: ۳۳۹]

ابو الاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی ''فتح الباری''... یہ شرح سب سے زیادہ فائدہ منداور کام کی ہے۔ البتہ حافظ نے جہاں کہیں اشعریت اور شافعیت وصوفیت کو ترجیح دینے کی کوشش کی ہے اسے چھوڑ کر اس شرح سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔'' [مقالاتِ شاغف: ۱۲۷]

شاغف صاحب، حافظ صاحب کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

''اشعریت وشافعیت اور تقلید کی راہ میں وہ بھی غرق ہونے سے نہ بچ سکے۔'' [مقالاتِ شاغف: ۱۶۰]

مگر علی زئی صاحب کا دعویٰ ہے کہ تقلید نا جائز ہے۔[دین میں تقلید کا مسئلہ] وغیرہ۔

تنبیہ: ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر مقلد یہاں بھی متقدمین اور متاخرین کی تقسیم کر کے یوں کہنا شروع کردے کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ سے پہلے والے لوگ تقلید کے قائل نہیں تھے، لہٰذا ان کے مقابلہ میں متقدمین کی بات فوقیت رکھتی ہے۔

عرض ہے کہ آلِ غیر مقلدیت کو اعتراف ہے کہ تقلید کی دو قسمیں ہیں تقلید محمود اور تقلید مذموم۔ [معیار الحق: ۴۲، تاریخ اہلِ حدیث: ۱۴۷]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ سے پہلے والے لوگ بھی تقلید محمود کے قائل تھے۔ بلکہ میرے پاس غیر مقلدین کے ڈیڑھ سو سے زائد حوالہ جات جمع ہیں جن میں یہ اعتراف موجود ہے کہ پہلی چار صدیوں میں تقلید تھی حتی کہ صحابہ کرام بھی تقلید کیا کرتے تھے۔ کسی غیر مقلد کو شوق ہو تو چوتھی صدی سے پہلے تقلید کے حوالہ سے تحریری میدان سجا کر طبع آزمائی کرلے۔ اپنے علم ومطالعہ کو منظرِ عام پر لانے کی عام دعوت ہے۔

۳۹۰

علی زئی صاحب حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا نام اپنے حامیوں میں نقل کر رہے ہیں حالانکہ انہوں نے ابنِ عربی کا دفاع کیا ہے چنانچہ ان کی عبارات میں جو بظاہر قابلِ اعتراض باتیں تھیں ان کے متعلق ذہبی صاحب کہتے ہیں:

''لعل ذلك وقع منه حال سكره وغيبته فيرجى له الخير۔[الوافی بالوفیات:۱۵۸/۳]
شاید کہ یہ ان سے حالتِ سکر اور غیبت میں واقع ہوا ہے، لہذا ان کے لیے خیر کی اُمید کی جاتی ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہ اعتراف بھی کیا کہ امام منبجی رحمہ اللہ ابن عربی کے بارے میں غلو کے درجہ کی محبت رکھتے تھے پھر بھی انہیں بڑے اونچے القابات سے نوازا ہے حوالہ آگے [حاشیہ:۳۹۳ میں] مذکور ہوگا۔ان شاء اللہ

۳۹۱

ملا علی قاری رحمہ اللہ معروف حنفی مقلد ہیں بلکہ وہ دوسروں کو بھی تقلید کی دعوت دیتے ہیں۔چنانچہ وہ کہتے ہیں:

'' وان يقلدوا العلماء اذا كانوا جهلاء ''[شرح عین العلم وزین الحلم ۴۴۶/۱، دین میں تقلید کا مسئلہ:۸۱] اور لوگ اگر جاہل ہوں تو علماء کی تقلید کریں۔

علی زئی صاحب تقلید کو جہالت اور مقلد کو جاہل کہتے ہیں مگر یہاں ضرورت پڑی تو تقلید کے حامی ملا علی قاری رحمہ اللہ کو متقدمین میں شامل کر کے ان کی بات کو غیر مقلدیت کے نامی گرامی علماء: میاں نذیر حسین دہلوی وغیرہ کی باتوں پر فوقیت دے رہے ہیں۔

۳۹۲

علی زئی صاحب یہاں متقدمین اور متاخرین کا تقابل پیش کر کے محدثین کو متقدمین اور غیر مقلدین کو متاخرین کہہ کر رد کر رہے ہیں۔

حالانکہ یہاں کسی سے تقابل کی ضرورت ہی نہیں تھی۔علی زئی صاحب نے محبّ اور محبوب کا ایک ہی حکم لگایا تھا، لہٰذا شیخ ابن عربی سے محبت وعقیدت رکھنے والے غیر مقلدوں پر علی زئی صاحب فتویٰ لگاتے کہ محبّ رغیر مقلدین اور محبوب رابنِ عربی کا ایک ہی حکم ہے۔یا پھر ان سے شیخ ابنِ عربی کی محبت وعقیدت کی براءت ثابت کرتے، مگر علی زئی صاحب نہ تو اپنے غیر مقلدین پر فتویٰ لگانے کی جراءت کر پائے اور نہ ہی ان سے محبتِ ابنِ عربی کا الزام دُور کر سکے۔جان چھڑانے کے لیے تیسرا راستہ اختیار کیا کہ غیر مقلدین پر

متاخرین کا لیبل لگا کر کنارے کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی متاخر ہو کر وحدۃ الوجود کا قائل ہو یا ابن عربی سے محبت وعقیدت رکھتا ہو تو اس کی گنجائش ہے؟ آخر ابن عربی سے محبت وعقیدت رکھنے والے غیر مقلدین کو متاخر کہہ کر چپکے سے ایک طرف کر دینے اور دوسروں پر ابن عربی سے محبت کی بنیاد پر فتویٰ جڑنے کی تفریق کس دلیل کی بنیاد پر ہے؟

کفایت اللہ سنابلی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ندیم ظہیر صاحب اور اُن کے استاذ ممدوح [علی زئی صاحب (ناقل)] دونوں کا یہ خاص اُصول ہے کہ یہ حضرات اپنے مخالف کی جن باتوں کا کوئی علمی جواب نہیں دے پاتے تو مخالف کی بات کا مفہوم ہی بدل کر پیش کر دیتے ہیں، پھر اس کا جواب عرض کرتے ہیں اور اس کے بعد خوش ہو جاتے ہیں کہ جواب ہو گیا ...!!'' [ندیم ظہیر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ، پہلی قسط کا جواب]

یہاں بھی کچھ اسی طرح کی مہربانی ہوئی ہے۔ میرے مضمون میں غیر مقلد مصنفین کے حوالے تھے کہ یہ لوگ ابنِ عربی کے ساتھ محبت وعقیدت رکھتے ہیں، انہیں اہلِ حدیث قرار دیتے ہیں، ان کا دفاع کرتے ہیں، ان کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، ان کے مخالفین سے مناظرہ کرتے ہیں، انہیں خاتم الولایۃ المحمدیہ کا لقب دیتے ہیں وغیرہ۔ ایسے حوالوں کو پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان غیر مقلدین پر وہی فتویٰ لگاؤ جو ابن عربی کے دوسرے معتقدین پر لگاتے ہو۔

لیکن علی زئی صاحب نے یوں رنگ دیا کہ بندہ نے ابن عربی کی فضیلت میں یہ حوالے نقل کیے، اس لیے ان کے خلاف حافظ ابنِ تیمیہ وغیرہ کے حوالے درج کیے اور پھر کہا: ان کے مقابلہ میں متاخرین کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں۔

حالانکہ بات ابنِ عربی کی فضیلت ومنقبت کی نہیں ہو رہی تھی بلکہ غیر مقلدین کی تھی کہ وہ وحدۃ الوجود کے داعی ابنِ عربی سے محبت وعقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے علی زئی صاحب کو ابنِ عربی کی شخصیت پر عبارات نقل کرنے کی بجائے اپنے ان غیر مقلدین پر فتویٰ لگانا چاہیے تھا۔ مگر وہ اپنوں پر فتویٰ لگانے کی بجائے ابنِ عربی کی شخصیت کو بیچ میں لے آئے۔

۳۹۳

متقدمین میں حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ ابنِ عربی کے چند مخالفین کے اسماء گرامی علی زئی صاحب نے ذکر کر دیئے ہیں۔ اگلی بات ہم عرض کرتے ہیں کہ متقدمین میں ابن عربی کے حامی بھی بہت ہیں۔ غیر مقلدین کے رسالہ ''الاعتصام'' میں لکھا ہے:

''ابنِ عربی... کے حامی اسے اولیاء اللہ اور تنقید سے بالاتر لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ مخالفین میں بھی بڑے بڑے محدثین اور اہلِ علم شامل ہیں اور موافقین میں بھی۔'' [الاعتصام: اشاعتِ خاص، بیاد بھوجیانی: ۳۱۴]

اس عبارت میں اعتراف ہے کہ بڑے بڑے محدثین اور اہلِ علم ابنِ عربی کو اولیاء اللہ میں سے اور تنقید سے بالاتر لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کہتے ہیں:

ترجمہ: ''ابنِ عربی کی حمایت اور ان کی فضیلت کو منوانے میں بڑے بڑے علماء کا ایک جمِ غفیر پیش پیش تھا۔'' [التاج المکلل: ۱۷۶]......اصل عبارت آگے آئے گی ان شاء اللہ۔

بڑے بڑے محدثین اور اہلِ علم جو شیخ ابنِ عربی کے متعلق اچھی سوچ رکھتے ہیں ان میں سے کچھ محدثین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

امام نصر بن سلمان منبجی رحمہ اللہ (م ۷۱۹ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا:

''وکان یتغالی فی ابن العربی۔ یعنی موصوف ابن عربی سے غلو کی حد تک محبت کرتے تھے۔

[سیر اعلام النبلاء: ۲۴/۴۳۸]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے امام منبجی رحمہ اللہ کو ان القاب سے نوازا ہے:

''الشیخ، الإمام، القدوۃ، المقری، المحدث، الزاھد، العابد، القانت، الربانی، بقیۃ السلف'' [حوالہ مذکورہ]

امام صلاح الدین محمد بن شاکر دمشقی (م ۷۶۴ھ) نے اپنی تاریخ میں ابن عربی کا شاندار ترجمہ لکھا ہے اور آخر میں ان کے متعلق تصریح کی ہے کہ:

''وعلی الجملۃ فکان رجلا صالحا عظیما، خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ ایک نیک اور عظیم شخص تھے۔ [فوات الوفیات: ۲/۳۰۰]

امام احمد بن ایبک المعروف بہ ابن الدمیاطی رحمہ اللہ (م ۷۴۹ھ) ابن عربی کے متعلق لکھتے ہیں:

''وکان ورعا زاھدا کہ آپ ایک پارسا اور پرہیز گار شخص تھے۔'' [ذیل تاریخ بغداد: ۲۱/۲۱]

امام صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی رحمہ اللہ (م ۷۶۴ھ) نے ابن عربی کا بہت مبسوط اور بڑا شاندار ترجمہ لکھا ہے اور آخر میں ان کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ:

''وعلی الجملۃ فکان رجلا عظیما'' الغرض آپ عظیم انسان تھے۔ [الوافی بالوفیات:

۶۰،۵۶/۳]

نیز موصوف، ابنِ عربی کی مشہور کتاب ''فتوحاتِ مکیہ'' کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''ومن وقف هذا الكتاب علم قدره وهو من أجل مصنفاته ، جو شخص بھی اس کتاب کا مطالعہ کرے گا وہ ان کی قدر و منزلت کو جان لے گا، اور یہ ان کی سب سے زیادہ جلیل القدر کتاب ہے۔

[حوالہ مذکورہ]

امام عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام دمشقی (م ۶۶۰) نے ابن عربی کو اپنے زمانے کا ''قطب'' قرار دیا ہے۔[شذرات الذهب: ۱۹۳/۵، التاج المكلل: ۱۷۷]

صاحبِ قاموس: امام مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی صاحب (م ۸۱۷ھ) ابنِ عربی کے اشد حمایتیوں میں سے ہیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان ابنِ عربی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''وقد تصدى للانتصار له ولاذعان لفضله من فحول العلماء الجم الغفير منهم شيخ الإسلام قاضى القضاةُ مجدد الدين الفيروزآبادى. ابنِ عربی کی حمایت اور ان کی فضیلت کو منوانے میں بڑے بڑے علماء کا ایک جمِ غفیر پیش پیش تھا، جن میں سے شیخ الاسلام، قاضی القضاۃ مجد الدین فیروز آبادی بھی ہیں۔[التاج المكلل :۱۷۶]

عبد اللہ روپڑی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''صاحبِ قاموس اہلِ حدیث ہیں۔''[توحید الرحمٰن: ۸۹]

امام عبد اللہ بن اسعد یافعی رحمہ اللہ (م ۷۶۸ھ) کے ترجمہ میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے لکھا:

''وحفظه عنه تعظيم ابن العربى والمبالغة فى ذلك ، ان سے محفوظ (ثابت) ہے کہ وہ بہت زیادہ ابن عربی کی تعظیم کرتے تھے۔[الدرر الكاملة: ۱۵۲/۲]

نواب صدیق حسن خان نے بھی امام یافعی رحمہ اللہ سے ابنِ عربی کی بہت زیادہ تعریف نقل کی ہے اور ان سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ ابنِ عربی کی طرف منسوب قابلِ اعتراض کلام کی تین توجیہات پیش کرتے تھے:

اول: ان سے وہ کلام ثابت ہی نہیں۔ ثانی: اگر بالفرض ثابت بھی ہے تو اس کی کوئی تاویل تلاش کی جائے اور اگر ہم ظاہری طور پر اس کی تاویل سے واقف نہ ہوں تو باطنی طور پر اس کی ضرور کوئی تاویل ہے جس کو عارفینِ تصوف جانتے ہیں۔ ثالث: یہ کلام ان سے حالتِ سکر اور غیبت میں سرزد ہوا جو کہ نا قابلِ مؤاخذہ ہے۔[التاج المكلل: ۱۷۸]

امام ابن النجار (م ۶۴۳ھ) ابنِ عربی کی مشہور کتاب ''فتوحاتِ مکیہ'' کے راوی ہیں۔ قاضی شوکانی

غیر مقلد نے ''فتوحاتِ مکیہ'' کی اپنے سے لے کر ابن عربی تک جو سند ذکر کی ہے، اس میں ابن عربی سے اس کو روایت کرنے والے ''ابن النجار'' ہیں۔[اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر:۱۸۸]

امام کمال الدین الزملکانی (م ۷۲۷ھ) جو کہ بقول نواب صدیق حسن غیر مقلد: شام کے انتہائی جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔[التاج المکلل:۱۷۷]

امام صفدی اور نواب صدیق حسن خان نے ابنِ عربی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ شیخ کمال الدین زملکانی نے ابنِ عربی کی بہت عظمت بیان کی ہے، اور آپ کو معرفت کے ''البحر الزاخر'' یعنی موجزن سمندر قرار دیا ہے۔[الوافی بالوفیات:۵۸/۳، التاج المکلل:۱۷۷]

امام تقی الدین محمد بن احمد الفاسی المکی (۸۳۴ھ) نے ابنِ عربی کو ''صاحب التصانیف المفیدۃ و الکرامات العدیدۃ'' القاب سے یاد کیا ہے۔[ذیل التقیید فی رواۃ السنن و المسانید:۱۸۴/۱]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) نے ابن عربی کے دفاع میں ایک مستقل کتاب بہ عنوان ''تنبیہ الغبی عن تبرئۃ ابن عربی'' لکھی ہے۔[شذرات الذھب: ۱۹۱/۵، التاج المکلل:۱۷۷]

علی زئی صاحب نے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کو ''غیر مقلد'' کہا ہے۔[الحدیث شمارہ:۹۰]

قاضی ابنِ عجلون (م ۹۲۸ھ) ابنِ عربی کا دفاع کرنے والوں میں سے ہیں چنانچہ بقاعی نے جب ابنِ عربی کی تکفیر کی تو موصوف نے اس پر بقاعی کا سختی سے رد کیا اور ان سے قطع تعلق کر لیا۔[الکواکب السائرۃ باعیان المائۃ العاشرۃ:۱۱۶/۱]

امام زکریا بن محمد انصاری رحمہ اللہ (۹۲۶ھ) بھی ابن عربی کے انتہائی مداح ہیں اور ان کے کلام کو اچھی تاویل پر محمول کرتے ہیں۔[الکواکب السائرۃ باعیان المائۃ العاشرۃ:۱۹۸/۱، ۲۰۴]

امام عبدالحی ابن العماد حنبلی رحمہ اللہ (۱۰۸۹ھ) نے ابن عربی کی خود بھی تعریف کی ہے اور دیگر اہلِ علم سے بھی ان کی تعریف نقل کی ہے۔[شذارت الذھب:۱۹۰/۵، ۲۰۲]

محدثین اور اہلِ علم کے مذکورہ بالا حوالے بندہ نے حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب کی کتاب ''علمائے دیوبند پر زبیر علی زئی کے الزامات کے جوابات'' طبع دوم سے نقل کیے ہیں۔

علی زئی صاحب موضوع سے خروج کر کے ابن عربی کی شخصیت پر متقدمین کے حوالے درج کرنے شروع ہو ہی گئے تھے تو ان کے مداحین کے حوالوں کو بھی سامنے لاتے۔ کیا یہ لوگ متقدمین میں شمار

نہیں ہوتے؟

۳۹۴ وحید الزمان کو غیر مقلدین کی درجنوں کتابوں میں اہل حدیث لکھا ہوا ہے بلکہ وہ خود بھی اپنے آپ کو اہل حدیث ہی کہتے تھے۔ مزید یہ کہ وہ علی زئی صاحب کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق بھی اہل حدیث ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنی اسی کتاب کے حاشیہ ۹۹، ۱۰۱ وغیرہ میں حوالہ جات جمع کر دیئے ہیں۔

وحید الزمان صاحب کو ''غیر اہل حدیث'' کہنا تو دعویٰ ہے۔ اس پر دلیل دیں اور حاشیہ: ۹۹، ۱۰۱ میں ان کے اہلِ حدیث ہونے پر غیر مقلدین کی کتب سے پیش کئے گئے حوالہ جات کا جواب بھی دیا جائے۔ ورنہ رٹا رٹایا جملہ ''وحید الزمان غیر اہلِ حدیث'' کہہ دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

وحید الزمان صاحب کو ''غیر اہلِ حدیث'' کہنے والے بتائیں کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ آپ کے نزدیک کیا ہیں؟ اگر وہ اہلِ حدیث ہیں تو اس کا ثبوت وحوالہ درکار ہے اور اگر وہ غیر اہلِ حدیث ہیں تو ان کا حوالہ میاں نذیر حسین دہلوی وغیرہ کے خلاف پیش کس لیے کیا ہے؟

۳۹۵ علی زئی صاحب تاثر دے رہے ہیں کہ اہل حدیث متقدمین کی باتوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ اہلِ حدیث ہونے کے دعویدار غیر مقلدین من مانی کیا کرتے ہیں ان کا کوئی حتمی اصول نہیں۔ نہ ماننے کا فیصلہ کرلیں تو کسی کی بھی نہیں مانتے۔

امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلِ حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں۔'' [لغات الحدیث: ۲/ ۹۱: ش]

وحید الزمان صاحب دوسری جگہ اپنے اہل حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بعضے کیا کرتے ہیں کہ تفسیر قرآن میں صحابہ اور سلف کا طریقہ چھوڑ کر نئے نئے معانی اور مطالب اپنی خواہش نفس کے موافق نکالتے ہیں، گویا ترکِ تقلید کے انہوں نے یہ معنی سمجھے ہیں کہ احادیث اور آثارِ صحابہ اور تابعین کی تقلید بھی ضروری نہیں ہے جس طرح چاہو قرآن کی تفسیر کرلو۔'' [لغات الحدیث: ۱/ ۲۱: ص]

اور اگر ماننے کی ٹھان لیں تو اپنے مولویوں کو ''شارع... مثلِ معصوم'' اور ان کی باتوں کو ''مثل وحی ...اور... حرفِ آخر'' تصور کر کے ان کے پیرو بن جاتے ہیں۔

علی زئی صاحب کے استاد محمد گوندلوی صاحب غرباء اہلِ حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''انہوں نے اپنے امام کو شارع سمجھ لیا ہے۔'' [الاصلاح: ۲۱۹]

عبدالقادر حصاروی صاحب غیر مقلد نے غرباء اہلِ حدیث کے متعلق لکھا:

''یہ اپنے امام کو مثلِ معصوم سمجھتے ہیں'' [اصلی اہل سنت کی پہچان:۲۱۳]

رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کے بارے میں غیر مقلدین کا باہمی اختلاف ہے۔ علی زئی صاحب کے استاد گرامی محبّ اللہ شاہ راشدی صاحب اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ مسئلہ اب صرف دو پارٹیوں کا ایک امتیازی خاصہ اور ان کے کاروبار کا ٹریڈ مارک بن گیا ہے، لہذا جو آدمی کسی ایک پارٹی کے ساتھ منسلک ہے وہ اسی طرح ہی کرتا رہتا ہے اگر چہ حقیقت میں اس کو اتنا علم وفہم بھی نہ ہو کہ وہ حسن امتیاز کر لیتا کہ یہ بات حق ہے محض اس بناء پر کہ ان کا اس پارٹی کے سربراہ کے ساتھ گہرا قلبی تعلق ہے اور اس کی بات کو کالنفس فی الحجر بلکہ مثل وحی کے تصور کر لیتے ہیں اور آنکھیں بند کر کے تقلید کر لیتے ہیں اور دوسری طرف یا دوسرے فریق کے موقف کو سننے یا ان کی تحریروں کو مکمل طور پر پڑھنے سے گریز کرتے ہیں بلکہ مقابل فریق کی تحریروں کو شجرہ ممنوع تصور کر لیتے ہیں اور اس بات پر یقین کر لیتے ہیں کہ بس حق وہی ہے جو فلاں کرتا ہے یا جس پر فلاں عامل ہے اس کے سوا حق اصل ہے ہی نہیں۔''

[مقالاتِ راشدیہ:۸۰/۱]

ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''آج کل جماعت اہلِ حدیث کی ایک ایسی کھیپ تیار ہو چکی ہے جو کچھ ناصر الدین البانی نے لکھ دیا ان کے نزدیک حرفِ آخر کی حیثیت سے من وعن قبول ہے۔'' [مقالاتِ شاغف:۲۶۶]

البانی صاحب غیر مقلد کی من مانی پر تو علی زئی صاحب بقلمِ خود ہی گواہ ہیں جیسا کہ حاشیہ:۷ میں ان کی کتاب ''علمی مقالات:۳/ ۳۱۷'' سے عبارت منقول ہے۔

خود علی زئی صاحب بھی من مانی کیا کرتے ہیں، اس کا اعتراف خود ان کے اپنے غیر مقلدوں: کفایت اللہ سنابلی صاحب نے ''حدیثِ یزید محدثین کی نظر میں'' اور خبیب احمد اثری نے ''سندِ کتاب میں منہجی غلطی کا جائزہ'' میں کئی بار کیا ہے۔

علی زئی صاحب متقدمین کو ترجیح بھی وہاں دیتے ہیں، جہاں اپنے لیے مفید پاتے ہیں۔ اگر متقدمین کی بات ان کے خلاف ہو تب ایسا نہیں کرتے۔ مثلاً انہوں نے لکھا:

''اسے حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے، سند بھی حسن ہے۔ ابو حاتم، بیہقی اور مصنف کا اسے ضعیف یا مُنکر سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ والحق أحق ان یتبع۔ [حاشیہ عبادات میں بدعات:۲۰۶]

اب یہاں امام ابوحاتم رازی، امام حاکم سے اور امام بیہقی، امام ذہبی سے متقدم ہیں لیکن اس کے باوجود زبیر علی زئی اپنے طے شدہ اصول کے برعکس امام ابوحاتم کے مقابلے میں امام حاکم کو اور امام بیہقی کے مقابلے میں امام ذہبی کو ترجیح دے رہا ہے اور اس بات کو وہ حق قرار دے کر لوگوں کو اپنی اس بات کی پیروی کرنے کی تلقین بھی کر رہا ہے۔

ع جو چاہے اس کا حسن کرشمہ ساز کرے [تناقضاتِ زبیر علی زئی:۱۵۴ حافظ ظہور احمد الحسینی]

۳۹۶ میری تحریر کو بیت العنکبوت کہہ کر اپنے قارئین کے سامنے پیش کریں یا کسی اور نام سے، یہ آپ کی مرضی ہے مگر اس کا جواب طلب کرنا میرا حق ہے۔ اس دنیا میں موجود تمام غیر مقلدین سے عموماً اور علی زئی صاحب کے شاگردوں اور عقیدت مندوں سے خصوصاً مطالبہ ہے کہ جس طرح بندہ نے علی زئی صاحب کی تحریروں کو متن بنا کر جواب دیا ہے، اسی طرح میری اس کتاب ’’زبیر علی زئی کا تعاقب‘‘ کو متن میں رکھ کر حاشیہ میں جواب دیں۔ جواب دینا تو دُور کی بات ہے اس کے تصوّر سے ہی آپ لوگوں کو اِن شاءاللہ اندازہ ہوجائے گا کہ اسے بیت العنکبوت کہنا آسان ہے مگر اس کا جواب لکھنا مشکل ہے۔ الله أكبر و الحمد لله

اگر علی زئی صاحب کے نزدیک میری تحریر ’’بیت العنکبوت‘‘ تھی تو وہ اسے متن بنا کر جواب لکھتے جب کہ ان کے نزدیک جو جواب پوری تحریر کو نقل کر کے نہ لکھا جائے وہ نا قابلِ سماعت اور مردود ہوتا ہے۔

[توضیح الاحکام:۱/۳۴۳]

کیا وجہ ہے کہ جو تحریر اُن کے زعم میں ’’بیت العنکبوت‘‘ تھی اس کا بھی نا قابلِ سماعت اور مردود جواب دیا؟

۳۹۷ نواب صدیق حسن خان کی اس عبارت کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف اتنی گزارش ہے کہ وحدۃ الوجود کے مخالفین نواب صاحب کی کتاب ’’التاج المکلل‘‘ میں ابنِ عربی کی مدح سرائی ایک بار پڑھ لیں۔

۳۹۸ ’’لیکن‘‘ کے بعد والی عبارت یہ ہے:

’’ہم متعین طور پر اس کے قائل اولیائے کرام کو خواہ وہ مغلوب تھے یا ماٗوّل، کافر نہیں کہہ سکتے‘‘ [ابقاء المنن:۱۹۳ طبع دار الدعوۃ السلفیۃ لاہور]

نواب صاحب نے اس عبارت میں ایک تو وحدۃ الوجود کے قائلین کو اولیاء تسلیم کیا ہے۔ دوسرا انہیں کافر کہنے سے گریز کیا ہے۔

۳۹۹ حدیثِ قدسی میں اللہ کا ارشاد ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں، پھر اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں

جس سے دیکھے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے چلے۔

[صحیح بخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع: ۲/۹۶۳]

شارحینِ حدیث نے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جانے کا مطلب یوں بیان کیا کہ بندے کے یہ اعضاء اللہ کی مرضی کے تابع ہو کر استعمال ہوتے ہیں۔ غیر مقلدین نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔

داؤد راز صاحب غیر مقلد نے بخاری کی شرح میں لکھا:

''اس [بندہ (ناقل)] کے حواس ظاہری و باطنی سب شریعت کے تابع ہو جاتے ہیں۔ وہ ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ سے صرف وہی کام لیتا ہے جس میں میری مرضی ہے۔ خلافِ شریعت اس سے کوئی کام سرزد نہیں ہوتا۔'' [شرح بخاری اردو: ۷/۲۹۷]

صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد اِس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''کانوں سے وہی کچھ سنتا، آنکھوں سے وہی کچھ دیکھتا، ہاتھوں سے وہی کچھ پکڑتا ہے جو اللہ کو پسند ہے۔ اس کے قدم اسی چیز کی طرف اُٹھتے ہیں جس میں اللہ کی رضا مضمر ہوتی ہے۔''

[ریاض الصالحین مترجم: ۱/۱۲۵]

جس طرح حدیثِ بخاری میں اعضاء بن جانے کا مطلب اعضاء کا اللہ کے تابع ہونا ہے۔ اسی طرح یہاں ''باطن میں خدا'' ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ باطن خدا کی مرضی کے تابع ہو جاتا ہے۔

علی زئی صاحب کی پیش کردہ عبارت میں تو صرف بندے کے باطن میں خدا ہونا کہا گیا ہے جب کہ غیر مقلد مصنف محمد حنیف ندوی صاحب تو ہر ہر چیز کے باطن میں خدا ہونے کی تصریح کر رہے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''جاری وساری خدا سے مقصود یہ ہے کہ نہ تو تخلیق و آفرینش کا یہ تماشہ ایسا ہے جو صرف اس کے حدود علم و تصور ہی کے اندر جلوہ فگن ہو، اور ہر طرح کی مصروفیت اور خارجی وجود سے محروم ہو، اور نہ اس کی حیثیت ایسے صانع و مصنوع کی ہے کہ جن کو زمان و مکان کے فاصلوں نے جدا جدا اور الگ کر رکھا ہو۔ بلکہ اس کی حیثیت ایسے داخلی عنصر، ایسے باطنی کارفرما اور نفس شے میں داخل و نہاں تحقیقی جوہر کی ہے جو باہر رہ کر نہیں بلکہ ہر شے کی رگ و پے میں سما کر اور اندر رہ کر تربیت و پرورش کے کارِ عظیم کو انجام دینے میں مصروف ہے۔'' [عقلیاتِ ابن تیمیہ: ۳۰۹ بحوالہ علمائے دیوبند پر زبیر علی زئی کے اعتراضات کے جوابات: ۶۷ طبع دوم]

اس عبارت میں ''ہر شے کی رگ و پے میں سما کر اور اندر رہ کر تربیت و پرورش کے کارِ عظیم کو انجام دینے میں مصروف ہے۔'' کو ایک بار پھر پڑھ لیں۔

بندہ نے ’’مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت‘‘ کے نام سے چند سال پہلے آٹھ قسطیں مجلّہ صفدر میں شائع کرائی تھیں اور چودہ قسطیں یہ ہیں، کل بائیس (۲۲) اقساط ہوئیں۔

’’باطن میں خدا‘‘ ہونے کا جواب بمع الزامی عبارت عرض کر دیا ہے۔ اب غیر مقلدین ان بائیس قسطوں کا جواب علی زئی شرط کے مطابق دیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جواب وہی معتبر ہوگا جو پورے مضمون کو نقل کر کے دیا جائے، لہٰذا غیر مقلدین ان بائیس قسطوں کو متن بنا کر جواب دیں۔ ہمیں جواب کا شدید انتظار رہے گا۔ (ختم شد)

اعلان: آئندہ ’’بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب‘‘ کے تحت ’’امکانِ کذب‘‘ عنوان شروع ہوگا، ان شاء اللہ۔

(صفحہ نمبر 18 / کا بقیہ)

لیکن علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ’’**الفوائد البھیه فی تراجم الحنفیه**‘‘ میں لکھا ہے کہ یہ تفسیر ننانوے جلدوں پر مشتمل تھی اور پچاس تفاسیر سے استفادہ کر کے لکھی گئی تھی، شیخ موصوف ابن النقیب کی کنیت سے مشہور ہیں۔

(۷)......شیخ ابوالقاسم اصبہانی [متوفی ۵۳۵ھ] کی تفسیر ہے جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۸)......امام شمس الدین ابوالمظفر [متوفی ۶۵۴ھ] نے بھی تیس جلدوں میں تفسیر لکھی ہے۔

(۹)......شیخ مفضل بن سلمہ حنفی نے ’’ضیاء القلوب فی معانی القرآن‘‘ کے نام سے تقریباً بیس جلدوں پر مشتمل تفسیر لکھی ہے موصوف تیسری صدی کے مفسرین علماء میں سے تھے۔

(۱۰)......ابن ندیم نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوبکر محمد بن حسن النقاش نے ’’التفسیر الکبیر‘‘ کے نام سے ایک تفسیر لکھی ہے جو بارہ ہزار اوراق پر مشتمل ہے۔

(۱۱)......صاحب ظہر الاسلام اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۵/ پر لکھتے ہیں کہ ابوجعفر نحاس کے شاگرد شیخ ابوبکر ادفویؒ نے علوم القرآن سے متعلق ایک سو بیس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے اور انہوں نے ایک تفسیر لکھی ہے جو سو ۱۰۰/ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان کا انتقال ۳۸۸ھ میں ہوا۔

(۱۲)......حافظ بن شاہین کی تفسیر شاہین ہے جو آج کل کے حساب سے ایک ہزار جلدیں بنتی ہیں۔

(۱۳)......زاہد الکوثری فرماتے ہیں کہ: میرے علم میں آج کل سب سے ضخیم تفاسیر میں سے ’’فتح المنان‘‘ ہے جو ’’التفسیر العلامی‘‘ کے نام سے مشہور ہے اور چالیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ بڑی تفاسیر کا یہ تذکرہ حضرت محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی کتاب ’’یتیمۃ البیان فی شیء من علوم القرآن‘‘ سے میں نے لیا ہے۔ (جاری ہے۔۔۔۔)

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۷(آخری)

حدیث کلاب حوأب کا مصداق اور قاضی طاہر علی کی تحقیق پر ایک نظر

یہ مختلف احادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے درست تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطاء اجتہادی ہوئی، یہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا نظریہ۔اب علماء امت کی مختلف عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱)......حضرت امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

ومذهب أهل السنة والحق إحسان الظن بهم والإمساک عما شجر بينهم، وتاويل قتالهم وأنهم مجتهدون متأولون لم يقصدوا معصية ولا محض الدنيا، بل اعتقد كل فريق أنه المحق ومخالفه باغ، فوجب عليه قتالهٗ ليرجع إلى أمر الله، وكان بعضهم مصيبًا وبعضهم مخطئاً معذوراًفی الخطاء؛ لأنه باجتهاد المجتهد، والمجتهد إذا أخطأ لا اثم عليه، وكان عليّ رضی الله عنه هو المحق المصيب فی ذلک الحروب، هٰذا مذهب أهل السنة.[شرح مسلم:۲/۳۹۰]

اوراہل سنت اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن کریں گے اور جولڑائیاں ہوئیں ان میں بحث نہ کریں گے،اوران کی لڑائیوں کی تاویل کریں گے اور یہ کہ وہ حضرات تاویل کرتے ہوئے اجتہاد کرنے والے تھے،انہوں نے گناہ کا اور محض دنیا کا ارادہ نہیں کیا تھا، بلکہ ہرگروہ نے سمجھا کہ وہ حق پر ہے اوراس کا مخالف باغی ہے اس لئے اُس پرلڑنا لازم ہے تاکہ دوسرا اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے،اوران میں بعض درست رائے والے اور بعض خطاء پر تھے،مگر خطاء میں معذور تھے، کیوں کہ یہ خطاء مجتہد کے اجتہاد سے تھی اور مجتہد جب خطاء کرلے تو اس پر گناہ نہیں ہوتا،اوران لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق پراور درست رائے پر تھے یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

(۲)......علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقد صح عن النبیﷺ أنه أنذر بخارجة تخرج من طائفتين من أمة يقتلها أولى الطائفتين بالحق، فكان قاتل تلک الطائفة علی رضی الله عنهم فهو صاحب الحق بلاشک، وكذلک أنذر عليه السلام بأن عماراً تقتله الفئة الباغية، فصح أن علياً هو صاحب الحق ....وأن مَن نازعه فيها فمخطیء، فمعاوية رحمه الله مخطیء مأجور

مـرـۃ؛ لأنه مجتهد. [الفصل فی الملل والاهواء والنحل: ۴/۴۳۷] نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے خوارج کے نکلنے سے ڈرایا جو امت کے دو جماعتوں میں سے نکلے (اور فرمایا) ان کو وہ گروہ قتل کرے گا جو اُن دو جماعتوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ (اور ان کے ساتھیوں) نے خوارج سے لڑائی کی تو یقیناً وہ حق پر ہوئے، ایسے ہی آپ ﷺ نے ڈرایا کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا، تو اس سے بھی صحیح ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔۔۔اور یہ کہ جس نے خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی (گو خلافت کے لیے نہ ہو) وہ لڑنے والا خطاء پر ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء کرنے والے ہوئے، مگر ایک گنا اجر پائیں گے کیوں کہ مجتہد تھے۔

فائدہ: حدیث **فـئـة بـاغـیـه** سے متعلق علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: (۱) قتادہ بن نعمان (۲) ام سلمہ (مسلم) (۳) ابوہریرہ (ترمذی) (۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص (نسائی) (۵) عثمان بن عفان (۶) حذیفہ (۷) ابوایوب (۸) ابورافع (۹) خزیمہ بن ثابت (۱۰) حضرت معاویہ (۱۱) عمرو بن العاص (۱۲) ابوالیسر (۱۳) عمار (طبرانی وغیرہ) رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور اس کی زیادہ تر سندیں صحیح ہیں یا حسن ہیں۔ (فتح الباری: ۲/۸۷)

علامہ محمد بن جعفر کتانی نے مزید اور راوی صحابہ بھی بیان کیے ہیں (۱۴) ابن مسعود (۱۵) ابوقتادہ (۱۶) عمرو بن حزم (۱۷) ابوسعید (۱۸) ابوہریرہ (۱۹) انس (۲۰) جابر بن عبداللہ (۲۱) ابن عباس (۲۲) جابر بن سمرہ (۲۳) زیاد بن الفرد (۲۴) کعب بن مالک (۲۵) ابوامامہ (۲۷) ام المؤمنین حضرت عائشہ (۲۸) زید بن ثابت (۲۹) عمار بن یاسر کی آزاد کردہ باندی (۳۰) ابن عمر رضی اللہ عنہم، اور علامہ ابن حجر اور امام ابن عبدالبر اور محمد بن جعفر الکتانی اور علامہ سیوطی اور ذہبی اور ابوبکر جصاص رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: متواتر ہے۔ [الاستیعاب ۲/۲۳۹، الاصابۃ: ۴/۴۷۴، نظم المتناثر: ۱/۱۹۷ رقم: ۲۳۷، خصائص کبریٰ: ۲/۲۳۹، تاریخ الاسلام: ۳/۵۷۸، احکام القرآن: ۳/۵۹۶]

(۳)......علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وکانت عائشة وطلحة والزبیر ومعاویة رضی الله عنهم ومن اتبعهم مابین مجتهد ومقلد فی جواز محاربة أمیر المؤمنین سیدنا أبی الحسنین الا نزع البطین رضوان الله علیه، وقد اتفق أهل الحق أن المصیب فی تلک الحروب والتنازع أمیر المؤمنین علی رضوان الله علیه من غیر شک ولا تدافع، والحق الذی لیس عنه نزول أنهم کلهم رضوان الله علیهم عدول؛ لأنهم متأولون فی تلک الخصومات، مجتهدون فی هاتیک المقاتلات، فإنه وإن الحق علی المعتمد عند أهل الحق واحداً، فالمخطیء مع بذل

الوسع وعدم التقصير مأجور لا مأزور. [لوامع الأنوار البهية: ۳۸۷،۳۸۶/۲] حضرت ام المؤمنین اور طلحہ، زبیر و معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی جائز سمجھنے میں مجتہد تھے کوئی ان کے مقلد، اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اِن لڑائیوں میں درست رائے پر امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے، اس میں نہ شک ہے نہ اشکال، اور وہ حق جس سے اترنا جائز نہیں یہ ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں کیوں کہ وہ اِن لڑائیوں میں تاویل کرنے والے اور مجتہد تھے، بیشک اگرچہ اہل حق کے نزدیک معتبر قول پر حق پر ایک تھا (مگر) خطاء کرنے والا گروہ اجتہاد میں پوری طاقت صرف کرتے ہوئے اور اجتہاد میں کوتاہی نہ کرتے ہوئے اجر پائیں گے گناہ گار نہیں ہوں گے۔

(۴) علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وذهب جمهور أهل السنة إلى تصويب من قاتل مع علي، لامتثال قوله تعالى: وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا." ففيها الأمر بقتال الفئة الباغية، وقد ثبت من قاتل علياً كانوا بغاة، وهؤلاء مع هذا التصويب متفقون على أنه لايذم واحد من هؤلاء، بل يقولون اجتهدوا فاخطأوا، وذهب طائفة قليلة من أهل السنة وهو قول كثير من المعتزلة إلى أن كلا من الطائفتين مصيب، وطائفة إلى أن المصيب طائفة لابعينها. [فتح الباري: ۴۵۰/۱۴، كتاب الفتن تحت حديث: ۷۱۰۹]

جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم درست رائے پر تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر (مخالفین سے) لڑائی کی اللہ تعالی کے اس فرمان کی تعمیل میں **وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا،** کہ اس آیت میں باغی جماعت سے لڑنے کا حکم ہے، اور تحقیق ثابت ہے کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی وہ (صورۃً) باغی تھے، اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ کو حق پر سمجھتے ہوئے اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک کو بھی برا نہ کہا جائے گا بلکہ اہل سنت کہتے ہیں کہ (مخالفین نے) اجتہاد کر کے خطاء کی، اور ایک تھوڑا سا گروہ اہل سنت کا اس طرف بھی گیا ہے اور یہی بہت سے معتزلہ کا قول ہے کہ وہ دونوں گروہ درست رائے پر تھے (جیسے قاضی جی کہتے ہیں) اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ دو میں سے ایک گروہ درست رائے پر ہے جو معین نہیں ہے۔

(۵) علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال الكرماني: علي رضي الله تعالى عنه ومعاوية كلاهما كانا مجتهدين، غاية مافي الباب أن معاوية كان مخطئاً في اجتهاده ونحوه، قلتُ: كيف يقال كان معاوية مخطئاً في اجتهاده؟ فما كان الدليل في اجتهاده، وقدبلغه الحديث الذي قال عليه السلام ويح ابن سمية تقتله الفئة الباغية، وابن سمية هو عمار بن ياسر وقد قتلهٗ فئة معاوية، أفلايرضىٰ

معاوية سواء بسواء حتى يكون لهٗ أجرواحد؟ وروى الزهرى عن حمزة بن عبدالله بن عمروعن أبيه قال: ماوجدت فى نفسى من شىء ماوجدت أنى لم أقاتل هٰذه الفئة الباغية كما أمرنى الله، فإن قلت كان عبدالله بن عمروممن روى الحديث المذكور وأخبر معاوية بهٰذا، فكيف كان مع فئة معاوية؟ قلتُ: روى أنهٗ انه قال لم أضرب بسيف، ولم أطعن برمح، ولكن رسول الله ﷺ قال: اطع أباک فاطعتهٗ وقيل لأبراهيم النخعى مَن كان أفضل علقمة أوالاسود؟ فقال علقمة؛ لانه شهد صفين وخصب سيفهٗ بها. [عمدة القارى: ۲۸۶/۲۴ كتاب الفتن]

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے، زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد وغیرہ میں خطاء کرنے والے تھے، میں (عینی) کہتا ہوں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ نے خطاء اجتہادی کی ہے اوراس کے اجتہاد کی دلیل ہی کیا ہے جب کہ ان کو حدیث پہنچی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ابن سمیہ عمار پراس کو (صورۃً) باغی گروہ قتل کردے گا، اوراس کوتو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ نے قتل کیا ہے، کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس پرخوش نہ ہوں گے کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں (کیا) پھراُن کوایک گنا اجر بھی ملے؟ (جو مجتہد کوملتا ہے) اورزہری نے حمزہ بن عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا اتنا میرے دل میں کسی چیز کاافسوس نہیں جتنا اس کا ہے کہ میں نے اِس باغی گروہ سے لڑائی نہ کی جیسا کہ اللہ تعالی نے حکم فرمایا، پھراگرتو کہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرومذکورہ روایت کے راویوں میں سے ہیں اورانہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوبھی یہ حدیث بیان کی تھی تووہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے ساتھ کیوں تھے؟ میں کہتا ہوں کہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نہ میں نے تلوار ماری نہ نیزہ مارالیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے باپ کا کہامان تومیں نے والد کا کہامانا (اورمحض شرکت کی ،لڑائی نہ کی) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت علقمہ افضل ہیں یااسودرحمہما اللہ؟ فرمایا علقمہ افضل ہیں کیوں کہ وہ جنگ صفین میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ) حاضر ہوئے اورتلوار خون سے رنگین کی۔

دیکھئے قاضی جی! علامہ بدرالدین رحمہ اللہ نے توبہت گراں بات فرمائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطاہوئی، اگرچہ جمہوراس کوخطاء اجتہادی فرمارہے ہیں علامہ عینی اس کومطلق خطاء کہہ رہے ہیں خطاءاجتہادی نہیں مان رہے کیوں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک حدیث **ویح عمار تقتله الفئة الباغية** پہنچی تھی تو (فرماتے ہیں) اس کے بعدان کواجتہاد کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی، اس لیے ان کومقابلہ میں نہیں آنا چاہیے تھا، اب برابر سرابر چھوٹ جائیں غنیمت ہے چہ جائے کہ اِس اجتہاد پران کوایک گنا اجر ملے، بہرحال یہ علامہ عینی کا تبصرہ ہے، (جومعاملے کی حقیقت، اعتدال اورمسلک جمہور سے ہٹا ہوا ہے۔ اس لیے)

راقم وہی کہتا ہے جو جمہور کہتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حسن ظن رکھیں گے، اور اُن کی خطا کو اجتہادی خطاء پر محمول کریں گے، جس پر مجتہد کو گناہ ہرگز نہیں ہوتا بلکہ خطاء اجتہادی پر بھی ایک گنا ثواب ملتا ہے، ہاں مگر دوسری جگہ علامہ عینی رحمہ اللہ کا یہ تبصرہ بھی ملا کہ فرمایا:

والجواب الصحيح فی هذا أنهم كانوا مجتهدين ظانين أنهم يدعونه إلى الجنة وإن كان فی نفس الامر خلاف ذلک، فلا لوم عليهم فی اتباع ظنونهم، فإن قلت: المجتهد إذا أصاب فله أجران وإذا أخطأ فله أجر ،فكيف الأمر ههنا؟ قلت: الذى قلنا جواب اقناعی فلايليق أن يذكر فی حق الصحابة خلاف ذلک؛ لأن الله تعالىٰ اثنىٰ عليهم وشهد لهم بالفضل. [عمدة القاری:۴/۳۰۸]

اس بارے میں صحیح جواب یہ ہے کہ وہ حضرات (حضرت معاویہ وعلی رضی اللہ عنہما) مجتہد تھے یہ گمان کررہے تھے کہ وہ دوسرے فریق کو جنت (کے اسباب) کی طرف دعوت دے رہے ہیں، اگرچہ واقع میں (ایک جانب) اِس کے خلاف تھا، تو اپنے گمانوں کی اتباع میں اُن پر کوئی ملامت نہیں ہے، پھر اگر آپ کہو کہ مجتہد جب درست رائے پر چل پڑے تو اس کو دوگنا اور خطاء کرے تو ایک گنا اجر ملتا ہے، تو یہاں معاملہ کیسا ہے؟ میں کہتا ہوں جو ہم نے گفتگو کرلی وہی کافی جواب ہے (کہ اپنے اجتہاد پر عمل کیا کوئی صواب پر کوئی خطاء پر ہوا، بس) تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اس کے خلاف ذکر کرنا مناسب نہیں کیوں کہ اللہ تعالی نے ان حضرات کی تعریف کی ہے اور ان کی فضیلت کی گواہی دی ہے۔

اوپر کی عبارت میں مزید حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا فرمان نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ سے لڑنے والے حضرت علقمہ رحمہ اللہ کو اسود پر ترجیح دے رہے ہیں کہ اِنہوں نے اچھا کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا، یعنی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے۔

علامہ عینی حدیث فئه باغيه کی تشریح میں فرماتے ہیں:

وفيه فضيلة ظاهرة لعلى وعمار، ورد على النواصب الزاعمين أن عليًا لم يكن مصيبًا فى حروبه. [عمدة القارى كتاب الصلوة ،باب التعاون فی بناء المسجد] اس حدیث میں حضرت علی وعمار رضی اللہ عنہما کی واضح فضیلت ہے اور اُن ناصبیوں پر رد ہے جو خیال کرتے ہیں کہ اِن جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ درست رائے پر نہ تھے۔

ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں قاضی طاہر علی صاحب بھی ایسے ہی لوگوں میں سے نہ ہوں، اس خطرے کی وجہ یہ ہے کہ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بعض سیاسی تسامح ہوئے ہیں۔ [مصداق

کون؟] تسامح غلطی ہوتی ہے جو بڑے کے احترام کی خاطر غلطی نہیں کہی جاتی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلطی قرار دیں تو قاضی صاحب غصہ ہوتے ہیں اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غلطی کہیں تو نہ شیعہ بنتے ہیں، نہ رافضی، نہ تبرا بنتا ہے نہ سبّ، سنی اور عاشق صحابہ ہی رہتے ہیں۔!! جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(٦)......حضرت علامہ عبدالرؤف مناوی مصری اور امام زرقانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

قال القرطبی وهٰذاالحديث من أثبت الأحاديث وأصحها ولما لم يقدرمعاوية علی انكارهٖ، فقال: إنما قتلهٗ من أخرجهٗ، فأجابهٗ علی: بأن رسول الله ﷺ إذن قتل حمزة حين أخرجهٗ، وقال الإمام عبدالقاهر الجرجانی فی كتاب الامامة: أجمع فقهاء الحجاز والعراق من فريقی الحديث والرأی منهم مالک والشافعی وأبوحنيفة والاوزاعی والجمهورالأعظم من المتكلمين والمسلمين أن عليًا مصيب فی قتالهٖ لأهل صفين كما هو مصيب فی أهل الجمل، وإن الذين قاتلوه كانوا بغاةً ظالمون لهٗ لكن لايكفرون ببغيهم، وقال الإمام أبومنصور فی كتاب الفرق فی بيان عقيدة أهل السنة: أجمعوا أن علياً مصيب فی قتالهٖ أهل الجمل طلحة والزبير وعائشة بالبصرة وأهل صفين معاوية وعسكرهٗ. [فيض القديرشرح الجامع الصغير :٦/٤٧٧،شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية:١٠/١٣٥،١٥٤]

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث (**ويح عمارتقتله الفئة الباغية**) سب سے مضبوط اور زیادہ صحیح احادیث میں سے ہے، اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کا انکار نہ کرسکے تو فرمایا کہ عمار کو تو اس نے قتل کیا جس نے اس کو باہر نکالا۔ (اور یہاں لایا) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل خود رسول اللہ ﷺ ہوئے جنہوں نے ان کو نکالا۔ امام عبدالقاہر جرجانی رحمہ اللہ نے کتاب الامامت میں فرمایا: حجاز اور عراق کے محدثین وفقہاء جن میں سے امام مالک وشافعی وابوحنیفہ واوزاعی رحمہم اللہ ہیں اور بہت بڑی تعداد متکلمین اور مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل صفین واہل جمل دونوں سے جنگ کرنے میں صحیح رائے پر تھے، اور جنہوں نے اُن سے لڑائی کی وہ لوگ (صورۃً) باغی اور زیادتی کرنے والے تھے لیکن اپنی بغاوت کی وجہ سے کافر (یا فاسق) نہیں ٹھہرائے جاسکتے۔

امام ابومنصور نے ''کتاب الفرق'' میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں حضرت طلحہ وزبیر وعائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر سے لڑنے میں صحیح رائے پر تھے۔

فائدہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف دو قول منسوب ہیں، اول یہ کہ انہوں نے حدیث

عمار پر فرمایا کہ: 'عمار کو تو انہوں نے قتل کیا جو نکال لائے۔' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ: 'پھر تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی نبی کریم ﷺ ہوں گے؟' دوسرا قول یہ منسوب ہے کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ: 'باغیہ بمعنی طالبہ یعنی ہم خون عثمان کے قصاص کے طالب ہیں۔' شیخ اکمل الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: یہ اُن پر افتراء ہے، کیوں کہ یہ (باغی بمعنی طالب) حدیث کی تحریف ہے، نیز حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نکال نہیں لائے تھے وہ تو خود تشریف لائے تھے، اس پر حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ: پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی (ظاہری) بغاوت سے بھی رک جاتے اور اطاعت اختیار کرتے، اور مخالفت چھوڑ دیتے۔ [مرقات: ۱۱/۱۸] لیکن طبرانی کبیر میں دو سندوں سے اور مسند ابو یعلی میں نقل ہے کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: عمار کے قاتل تو اس کو لانے والے ہیں، امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [مجمع الزوائد: ۹/۴۸۸]

(۷)......علامہ ابو الشکور السالمی رحمہ اللہ تفصیل سے بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال أهل السنة و الجماعة بأن معاوية ومن تابعه من الصحابة فی حال حيوة عليٍّ رضی الله عنه كانوا مخطئين فی دعوی الأمارة و البيعة معهٗ باغين بالمقابلة مع عليٍّ، وإنما قلنا أنهم كانوا مخطئين؛ لأنهم اجتهدوا فی محل الاجتهاد، لا فی وقت الاجتهاد؛ لأن معاوية كان أهلاً للخلافة بعد علی، ولولم يسبق خلافة علی لكانت تصح خلافتهٗ فی ذلک الوقت؛ لأنه كان من قريش، وقد قال النبی ﷺ لمعاوية حين دخل عليه: إذا وليتَ أمر هٰذه الأمة، فارفق بهم فوقع عند معاوية أنه مستحق للخلافة، فلهٰذا ادعیٰ، وقد كان أصاب من وجهٍ؛ لأنه كان أهلاً لها، وأخطأ من وجهٍ؛ لأن الخلافة و البيعة لعلی قد سبق، وعلی كان أفضل منه وأحق منه للخلافة، فلايجوز له الخلافة فی ذلک الوقت، وإنما كان وقته وقت سائر الناس من القريش بعد علی، وقولنا: وأنه كان باغياً فيما حارب علياً؛ لأن الله تعالی قال: "وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احداهما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر الله." فالله تعالی سمی إحداهما "باغياً" ومن لم يكن علی الحق فإنه يكون باغياً، والدليل علی أنه كان باغياً، أن القاضی الجليل بن أحمد السنجری السمرقندی روی عن النبی ﷺ أنه قال لعمار: تقتلک الفئة الباغية، وقد قتله جند معاوية، فالنبی عليه السلام سماهم 'باغية'. وروی عن أبی حنيفة أنه قال لأصحابه: أتدرون لِمَ يبغضنا أهل الشام؟ فقالوا: لا! قال لأنا نعتقد بأنا لو كنا حضوراً لكنا نعين علياً علی معاوية و نقاتل معاوية لأجل علی رضی الله عنهما. [التمهيد: ۱۸۲، ۱۸۳]

اہل السنّت والجماعت فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور ان کے پیروکار صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں حکومت اور بیعت کے دعوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خطاء

کرنے والے تھے، ہم ’’خطاء کار‘‘ اِس لیے کہہ رہے ہیں کہ وہ محل اجتہاد میں تو اجتہاد کررہے تھے لیکن اجتہاد کے وقت میں اجتہاد نہیں کررہے تھے۔ (بے وقت تھا) کیوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ’بعد‘ خلافت کے اہل تھے، اگر پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نہ ہوتی تو اُس وقت ان کی خلافت صحیح ہوتی، کیوں کہ وہ قریش میں سے تھے، اور نبی کریم ﷺ کے پاس جب ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: جب تجھے امت کی حکومت ملے تو ان سے نرمی برتنا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں آگیا کہ وہ مستحق خلافت ہیں، اِس لیے دعوی کیا، اور ایک طرح تو درست سوچا کہ خلافت کے اہل تھے، مگر دوسرے پہلو سے خطاء کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت وخلافت پہلے ہوچکی تھی، اور وہ اُن سے افضل بھی تھے، تو اُس وقت ان کے لیے خلافت درست نہ تھی، بلکہ ان کا وقت قریش کے دوسرے لوگوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد تھا۔

اور ہم نے جو کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی میں (صورۃً) باغی تھے تو اس لئے کہ اللہ تعالی نے مذکورہ آیت میں ایک گروہ کو باغی کہا ہے، اور جو حق پر نہ ہوگا وہی باغی ہوگا، پھر اس کی دلیل کہ وہ باغی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے حدیث ہے کہ: حضور ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ’’تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔‘‘ اور اس کو تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے قتل کیا تو آپ ﷺ نے ان کا نام ’باغی‘ رکھا، اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ شام والے ہم سے کیوں بغض رکھتے ہیں؟ ساتھیوں نے عرض کیا معلوم نہیں، فرمایا: وہ اس لیے کہ ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ہم موجود ہوتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑتے۔

یہاں مولانا سالمی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی خود خلیفہ بننے کے لیے تھی، پیچھے صحابی حضرت عبداللہ بن بدیل رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں بھی ایسا ہی ذکر ہوا، مگر جمہور علماء یہ بات درست نہیں مانتے۔ مگر ہمارا مقصود اِس عبارت سے یہ ہے کہ لڑائی کی جو وجہ بھی ہو بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء (اجتہادی) پر تھے۔

(۸)......علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولفظ مسلم قال النبی ﷺ لعمار: "تقتلک الفئة الباغية." وروی وقاتله فی النار [فقتله أصحاب معاوية] وكان هو مع علیّ بصفين، وهو صريح فی أن الخليفة بحق هو علی رضی الله عنه، وأن معاوية مخطیء فی اجتهادهٖ كما فی حديث: إذا اختلف الناس كان ابن سمية مع الحق، وابن سمية هو عمار رضی الله عنه كان مع علیّ، وهٰذا هو الذی ندين الله بهٖ، وهو أن علياً كرم الله وجههٗ علی الحق ومجتهد مصيب فی عدم

تسليم قتلة عثمان، ومعاوية رضى الله عنه مجتهد مخطىء فدع القيل وقال فماذا بعد الحق إلاالضلال.[نسيم الرياض: ۱۶۶/۳]

مسلم شریف کے لفظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ''تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔'' ایک روایت میں ہے کہ اس کا قاتل جہنمی ہوگا، تو اُن کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل کیا، اور وہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، یہ حدیث صریح ہے کہ خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہاد میں خطاء کرنے والے تھے، جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب لوگ اختلاف کریں گے ابن سمیہ یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ حق کے ساتھ ہوں گے، اور وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، ہم اسی عقیدہ کو اللہ تعالی کے سامنے ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل حوالے نہ کرنے میں درست رائے رکھنے والے مجتہد تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء کرنے والے مجتہد تھے باقی چوں وچرا چھوڑو، حق کے بعد سوا گمراہی کے کیا ہے؟

(۹)......امام ابوبکر جصاص رازی حنفی رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

قاتل علی بن أبی طالب رضی الله عنه الفئة الباغية بالسيف ومعهٗ من كبراء الصحابة وأهل بدر من قد علم مكانهم وكان محقاً فى قتالهٖ لهم لم يخالف فيه أحد إلاالفئة الباغية التى قابلته واتباعها، وقال النبى ﷺ لعمار: تقتلك الفئة الباغية. وهذا خبر مقبول من طريق التواتر حتى ان معاوية لم يقدر على جحدهٖ لماقال لهٗ عبدالله بن عمرو، فقال: إنماقتلهٗ من جاء بهٖ بين اسنتنا. رواه أهل الكوفة وأهل البصرة وأهل الحجاز وأهل الشام الخ. [احكام القرآن: ۵۹۶/۳]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جوان کے ساتھ بڑے بڑے صحابہ اور اہل بدر تھے جن کا مقام معلوم ہے انہوں نے باغی جماعت سے تلوار کے ساتھ جہاد کیا اور وہ اُن کے ساتھ لڑائی میں حق پر تھے اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا مگر اُس باغی جماعت نے جس نے مقابلہ کیا اور اُن کے متبعین نے، اور نبی کریم ﷺ نے بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: تجھے باغی جماعت قتل کرے گی، یہ حدیث مقبول ہے تواتر کے طریقہ سے نقل ہے، حتی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس کا انکار نہ کرسکے جب ان کو حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا، تو انہوں نے فرمایا کہ: عمار کو اُنہوں نے قتل کیا جو ہمارے نیزوں کے آگے لے آئے، اس روایت کو اہل کوفہ، اہل بصرہ، اہل حجاز، اہل شام نے روایت کیا ہے۔

(۱۰)......مولانا عبدالحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ جنگ صفین کے متعلق فرماتے ہیں:

یہی بدنصیب جنگ تھی کہ جس نے اسلام کی چمکدار تلوار کو اسلام ہی پر الٹ دیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ (حضرت) معاویہ غلطی پر تھے لیکن اس بات پر نہ تو خوارج کی طرح فریقین کو تبرا کرنا چاہیے، نہ شیعہ

کی طرح معاویہ اوران کے لشکر کو کافر و مرتد بنانا چاہیے۔[عقائد الاسلام:۲۳۲]

(۱۱)......حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

صحابہ کرام کے درمیان جو باہمی اختلافات اورنزاعات پیش آئے جیسے جمل اور صفین کا جھگڑا ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و ہوس اور حب ریاست اور طلب رفعت اور منزلت سے اس کو دور سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ نفس امارہ کی کمینہ اور رذیل خصلتیں ہیں اوران بزرگوں کے نفوس حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کیمیا اثر کی برکت سے ہواو ہوس اور حرص اور کمینہ اور حب مال اور حب جاہ سے آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو چکے تھے، اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ ہزاروں ہزار جنید اور ہزاروں ہزار شبلی اور بایزید ایک ادنی صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکتے، صحابہ کرام کے نفوس اگر چہ حضور ﷺ کی صحبت کی برکت سے نفس امارہ کی رذیل اور کمینہ خصلتوں سے پاک ہو چکے تھے، لیکن صحابہ کرام بشر اور انسان تھے، ملائکہ اور انبیاء نہ تھے جو غلطی سے معصوم رہتے، بتقاضائے بشریت اجتہادی خطاء کا واقع ہو جانا شان تقوی اور ورع کے منافی نہیں......پس مشاجرات صحابہ کو اس آیت کے ماتحت سمجھو، دونوں گروہ متقی تھے، دونوں جنت میں جائیں گے، ان کی صلح بھی حق کے لیے تھی اوران کی لڑائی بھی حق کے لیے تھی، ہر ایک گروہ نے اجتہاد کے موافق عمل کیا پس جو مصیب ہے اس کے لیے دو اجر ہیں، اور جو مخطیء ہے اس کے لیے ایک اجر ہے، بہر حال مصیب ہو یا مخطی ملامت سے ہر طرح دور ہے، درجات ثواب اور اجر میں فرق ہے۔(مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں) علماء نے فرمایا ہے کہ: ان لڑائیوں میں حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب تھا اوران کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطاء خطاء اجتہادی تھی، جس پر طعن اور ملامت ہرگز ہرگز جائز نہیں چہ جائے کہ کفر یا فسق کو ان کی طرف منسوب کیا جائے۔[عقائد الاسلام:۱/۱۶۷،۱۶۸]

(۱۲)......حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ کہنا غلط ہے کہ (صحابہ کرام کے) دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطاء یا مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازم ہے، اسلاف امت نے ان دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لئے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا لیکن جس کے قول کو ترک کیا ہے اس کی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو، خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ حق پر تھے، ان کا مقابلہ کرنے والے خطاء پر تھے، اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ حق پر تھے اوران کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے اصحاب

خطاء پر، البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطاء قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں، جس پر اللہ تعالی کی طرف سے عتاب ہو، بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطاء ہو گئی تو ایسے خطاء کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے، ایک اجراُن کو بھی ملتا ہے۔[مقام صحابہ: ۷۳]

ان عبارات کے علاوہ بھی بکثرت عبارات ہیں، فی الوقت اِنہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

خلاصہ مطلب:

دیکھیں! یہ سب اکابرین اسلاف اہل السنّت والجماعت کا اجماع نقل کر رہے ہیں اور اسی کو ترجیح دے رہے ہیں کہ اگرچہ حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور ہر ایک کے گروہ میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم واحترام بہت ضروری ہے، اور ان سے حسن ظن کیا جائے، تنقید وتنقیص نہ کی جائے، مگر اِن حضرات کی باہمی لڑائیوں میں ہر ایک مجتہد ہے، اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا ہے، اور جیسے مجتہد سے خطاء بھی ہو سکتی ہے اور صواب بھی، ایسے اِن حضرات کے اجتہاد میں خطاء وصواب ہو سکتا ہے، اور یہ خطاء بیان کرنا تنقیص نہیں ہے، اور یہ کہ اِن دو میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر اور حضرت معاویہ اور ام المؤمنین وغیرہم رضی اللہ عنہم خطاء پر تھے، اِسی پر اجماع ہے، یہی جمہور کا مسلک ہے، یہی راجح ہے، قاضی طاہر علی صاحب کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء کہنے سے امام حاکم شیعہ ہی نہیں رافضی ہیں تو کیا یہ سب اسلاف اکابرین مجتہدین ائمہ کرام، مفسرین، متکلمین، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، علماء دیوبند کُل کے کُل رافضی ہیں؟ اگر یہ اہل حق ہو کر رافضی ہیں تو امام حاکم رافضی بن کر قابل نفرت نہیں بنتے، اور اگر یہ حضرات رافضی نہیں بنتے تو امام حاکم بھی ہرگز رافضی نہیں بنتے؟

حدیث کلاب حوأب پر ایک شبہ:

حدیث کلاب حوأب پر ایک شبہ باقی رہ گیا، جو قاضی صاحب کے خیال میں وزنی ہے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذات مجروح ہوتی ہے، قاضی صاحب لکھتے ہیں:

روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حوأب کے کتے بھونکنے کے بعد حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے پچاس آدمیوں کو پیش کیا جنھوں نے گواہی دی کہ اس مقام کا نام حوأب نہیں ہے، بعض نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ جھوٹی شہادت منسوب کی ہے......اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف یہ کہ قصداً اور عمداً جھوٹ بولا بلکہ وہ جھوٹے گواہ بھی تیار کر لائے، اس الزام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کس قدر گھناؤنا کردار سامنے آتا ہے۔الخ [مصداق کون: ۳۵]

قاضی صاحب! آپ کی اس ساری تقریر کا مدار (صحابہ رضی اللہ عنہم کا جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی گواہی مہیا کرنا) تاریخ طبری کی اس روایت پر ہے جس کے راوی آپ کے تبصرہ کے مطابق بھی رافضی

ضعیف، مجہول الحال، مجہول النسب وغیرہ ہیں، تو آپ ایسی روایت کو سامنے رکھ کر کیوں خوامخواہ مغز خوری کر رہے ہیں؟ جھوٹی گواہی کی اِس روایت کو بیشک جھوٹا کہیں اور یہ واقعی جھوٹی ہے، مگر سوچیں کہ یہ جھوٹی گواہی اصل حدیث میں اور حدیث کی کسی کتاب میں تو نہیں ہے تو آپ اصل حدیث کو کیوں من گھڑت ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں؟ تاریخ طبری کی روایت کے مقابلہ میں حدیث کی کتابیں دیکھیں تو اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حوأب کے حوأب ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ام المؤمنین آپ کے جانے میں خیر ہے، مسلمان آپ کو دیکھیں گے تو آپ کی وجہ سے اختلاف وانتشار ختم ہو کر صلح واتفاق کی صورت پیدا ہونے کی امید ہے...

ترجعین؟ عسی اللہ عزوجل ان یصلح بک بین الناس. [مجمع الزوائد] آپ واپس جارہی ہیں؟ (واپس نہ جائیں) ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی آپ کے ذریعہ لوگوں کے درمیان صلح کی صورت پیدا فرمادیں۔

تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا اُن کو واپس نہ ہونے پر اصرار کرنا بھی اِس خاص دینی مصلحت کے لیے تھا، انہوں نے یہ کہہ کر ام المؤمنین کو نہیں روکا تھا کہ ''یہ حوأب نہیں ہے اور جس نے حوأب کہا اس نے جھوٹ بولا ہے۔'' اور پھر اِن حضرات نے اس کے لیے پچاس جھوٹی گواہیاں بھی جمع کرلیں، یہ کہانی بنانے والا جھوٹا ہے۔ مگر قاضی صاحب کونسا پیمانہ لیے پھرتے ہیں کہ کہتے ہیں بہرحال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے چشمہ حوأب کی تردید فرمائی جس میں وہ بجا طور پر حق بجانب ہیں۔ [علمی محاکمہ: ۳۱۶]

یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر کی تردید صحیح ثابت مان رہے ہیں جو صحیح ثابت نہیں اور اصل حدیث کلاب حوأب کو غلط ثابت کرنے کے درپے ہیں جو صحیح ثابت ہے۔ فیاللأسف

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی ندامت:

امام ذہبی فرماتے ہیں:

فإنها ندمت ندامة كلية، وتابت من ذلك على أنهامافعلت ذلك إلامتأولة قاصدة للخير. [سیر اعلام النبلاء: ۴۶۲/۳] حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اِس پر بہت ہی ندامت تھی اور اِس سے توبہ۔ باوجود اس کے کہ انہوں نے یہ سفر کیا تاویل کرتے ہوئے خیر کا ارادہ کرتے ہوئے۔

متعدد روایات ہیں جن سے حضرت ام المؤمنین کا اپنے نکلنے پر نادم ہونا ثابت ہوتا ہے، مثلاً حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے دل میں تو یہ تھا کہ وہ اپنے کمرے میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن ہوں مگر فرمایا:

إني أحدثت بعد رسول الله ﷺ حدثاً، ادفنوني مع أزواجه. [مستدرک

حاکم :۶۸۴۲،طبقات ابن سعد الکبریٰ:۵۹/۸] میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نیا کام کیا ہے اس لیے مجھے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ دفن کر دینا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ندامت والی حدیث کی ایک سند:

اس حدیث کی ایک سند تو وہ ہے جو قاضی صاحب جانتے ہیں، جس پر آگے بحث آ رہی ہے، ایک اور صحیح سند بھی ہے، ملاحظہ ہو!

کتاب **تخریج احادیث احیاء علوم الدین** میں ہے:

قال محمود بن محمد: حدثنا الميموني، حدثنا سريج بن يونس، حدثنا إسماعيل بن مجالد عن الشعبي قال: حضرت عائشة... الحديث امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ام المؤمنین کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نیا کام کر لیا، نامعلوم آپ ﷺ کے پاس میرا کیا حال ہوگا، اب میں ناپسند کرتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن ہوں، اور نہیں جانتی کہ آپ کے پاس میرا کیا حال ہوگا؟ پھر رسول اللہ ﷺ کی قمیص کا ایک ٹکڑا منگوایا اور فرمایا یہ میرے سینے پر رکھ دینا اور میرے ساتھ دفن کر دینا شاید اس کی برکت سے میں عذاب قبر سے نجات پالوں۔ [**تخريج احاديث احياء علوم الدين، بحث احوال المحتضرين:۲۸۱۸/۶**]

اس میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے براہ راست سننے والے امام شعبی ہیں۔ اُن سے نقل کرنے والے اسماعیل بن مجالد ہیں۔ اُن سے نقل کرنے والے سریج بن یونس، اُن سے نقل کرنے والے عبدالملک بن عبدالحمید، اُن سے نقل کرنے والے ابوالعباس بن محمود ہیں۔

(۱)......امام شعبی: یہ عامر بن شراحیل شعبی کوفی ہیں، سب محدثین نے ان کی تعریف کی ہے، البتہ بعض محدثین کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نہیں سنی، مگر یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے اس روایت میں ام المؤمنین سے سماع کیا ہے۔

(۲)......اسماعیل بن مجالد بن سعید ہمدانی: یہ کوفی ہے، صحیح بخاری کا راوی ہے، امام احمد اور بخاری سچا راوی بتاتے ہیں، امام ابن معین، ابن شاہین ثقہ کہتے ہیں بعض نے اُن پر جرح کی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ حسن الحدیث درجہ کا راوی ہے۔

(۳)......سریج بن یونس بن ابراہیم بغدادی: بخاری، مسلم کے راوی ہیں، سب محدثین نے اِن کی تعریف کی ہے۔

(۴)......عبدالملک بن عبدالحمید بن عبدالحمید بن میمون جزری میمونی: یہ امام احمد کے خاص شاگرد ہیں، سب محدثین اِن کی تعریف کرتے ہیں۔

(۵)......ابو العباس محمود بن محمد بن الفضل رافقی الادیب: اِن کا تذکرہ تاریخ دمشق میں (۷۲۶۰) اور ذہبی کی تاریخ الاسلام (۶۴۴۳) میں موجود ہے، بڑے محدثین میں سے ہیں، ان کی ایک کتاب ہے 'تاریخ الجزیرۃ'، جبش بن موسیٰ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ [الاکمال فی رفع الارتیاب: ۱۵۳/۴]

قاضی طاہر علی صاحب کے اعتراضات اور ان کے جوابات: اعتراض نمبر ا:

قاضی طاہر علی صاحب اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ کئی وجوہ ہیں۔ ''جہاں تک حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو وہ بوجوہ صحیح نہیں۔ [ا] اس حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم ہیں...... خبر واحد ہے...... اخبار احاد میں مقبول بھی ہوتی ہیں، اور مردود بھی...... زیر بحث حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم میں مردودیت کے اوصاف موجود ہیں۔ (یعنی لہٰذا حدیث مردود ہے)[مصداق کون: ۱۲۴]

جواب: (ا)......امام حاکم رحمہ اللہ نے اِس حدیث کو **صحیح علی شرط الصحیحین** کہا ہے کہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(۲)......امام ذہبی نے تلخیص میں ان کی موافقت کی ہے کہ واقعی یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(۳)......بیچارہ قیس بن ابی حازم اس حدیث کا اکیلا راوی نہیں ہے، بلکہ امام قیس رحمہ اللہ کے ساتھ امام عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ بھی راوی ہیں۔

(۴)......پھر قاضی صاحب کی قیس پر جرح مردود ہے۔ کیونکہ قیس میں مردودیت کے اوصاف موجود نہیں ہیں۔ اس پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲/ اور اس کا جواب:

قاضی صاحب نے مزید یہ لکھا ہے کہ: ''امام حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم شیعہ ہیں اور حدیث میں متساہل ہیں۔ [خلاصہ، مصداق کون: ۱۲۴، ۱۲۵]

جواب: امام حاکم کی شیعیت پر گفتگو ہو چکی ہے۔ جس سے ثابت ہو چکا ہے کہ امام حاکم یا تو بالکل شیعہ نہیں ہیں، یا ایسے شیعہ ہیں جن کی شیعیت کا روایت پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا۔ [میزان الاعتدال، لسان المیزان، تہذیب التہذیب، ترجمہ ابان بن تغلب] پھر ان کے تساہل کی بات بالکل مضر نہیں کیوں کہ امام ذہبی نے بھی ان کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ حدیث صحیح علی شرط البخاری و مسلم ہے، اس کے بعد ان کے تساہل کا تذکرہ بے کار ہے، اور امام حاکم اکیلے نہیں امام محمود بن محمد بن الفضل رافقی نے بھی روایت کی ہے۔

اعتراض نمبر ۳/ اور اس کا جواب:

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ: ''حضرت عائشہ کے فعل پر 'بدعت' کا اطلاق کیا گیا، جب کہ صحابہ کرام

کے فعل پر بدعت کا اطلاق درست نہیں۔'' [ص:۱۲۵]

جواب: ا...... بیشک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل پر 'بدعت شرعی' کا اطلاق نہیں ہوتا ہاں بعض اوقات بدعت لغوی کا اطلاق ہوا ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول **نعمت البدعة هٰذهٖ** میں ہے اور جمعہ کی پہلی اذان کو (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کرائی) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بدعت کہا۔ [فتح الباری:۴۴/۳]

۲...... یہاں 'احداث' کا ترجمہ بدعت نہ کریں بلکہ نیا کام سے ترجمہ کرلیا جائے، اور ہر نیا کام گناہ نہیں ہوتا، تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے نیا کام کیا جو نہ کرنا چاہیے تھا، مگر اس پر ان کو گناہ نہیں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نئے کام تو کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ۴/ اور اس کا جواب:

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ: ''بخاری میں تو ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو وصیت فرمائی کہ مجھے نبی کریم ﷺ وشیخین کے ساتھ دفن نہ کرنا، اور ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا کہ میں یہ پسند نہیں کرتی کہ مجھے برتری حاصل ہو یا میری تعریف کی جائے، اس حدیث کے تحت ابن حجر نے لکھا ہے کہ انہوں نے بطور تواضع و کسر نفسی کے فرمایا ہے۔''

جواب: ا......ایک روایت یہ ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کو وصیت کی اور حضور ﷺ کے ساتھ دفن نہ ہونے کے لیے تواضع کا اظہار کیا۔ دوسری روایت قیس کی ہے قیس بھی تو ام المؤمنین سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ (تہذیب التہذیب) پھر امام شعبی نے تو سنی اور سننے کی صراحت کی، تو اگر ابن زبیر ان سے براہ راست سننے والے ہیں تو امام شعبی بھی براہ راست سننے والے ہیں، آپ کو دونوں سننے والوں پر اعتبار کیوں نہیں؟

قاضی صاحب کی خیانت:

۲...... یہاں قاضی صاحب نے علامہ ابن حجر کی بات نامکمل ذکر کر کے خیانت کی ہے، آگے کی عبارت قاضی صاحب کا شبہ ختم کرنے والی تھی، مگر قاضی صاحب کو ناپسند تھی اس لیے نقل نہ کی، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

وهٰذا منها على سبيل التواضع وهضم النفس بخلاف قولها لعمر كنت أريدهٗ لنفسي، فكان اجتهادها في ذلک تغيرا و لما قالت ذلک لعمر كان قبل أن يقع لها ما وقع في قصة الجمل فاستحيت بعد ذلک أن تدفن هناک. [فتح الباری:۴۸۸/۳]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا (میری تعریف نہ کی جائے، مجھے برتری حاصل نہ ہو) بطور

تواضع وکسرنفسی تھا، اس کے برخلاف جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ (نے جب روضہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت چاہی تو ان) کو فرمایا کہ میں خود وہاں دفن ہونا چاہتی تھی۔ (اب آپ کو ترجیح دیتی ہوں، بخاری حدیث:۱۳۹۲، حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ کئی صحابہ ام المؤمنین سے وہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے تھے، فرماتیں میں ان کو (اپنے اوپر) ترجیح نہیں دے سکتی، الریاض النضرة) تو اس بارے میں ام المؤمنین کے اجتہاد میں تبدیلی ہوتی رہی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب فرمایا تو واقعہ جنگ جمل میں پیش آنے والے حال سے پہلے تھا، واقعہ جنگ جمل کے بعد تو وہاں دفن ہونے سے شرم کی، معلوم ہوا کہ ان کے اجتہاد میں تبدیلی ہوتی رہی پہلے خود وہاں دفن ہونے کا خیال تھا بعد میں یہ خیال چھوڑ دیا۔

روضہ مبارکہ میں ایک اور قبر کی گنجائش:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ امام ابن التین رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

قال ابن التين: قول عائشة في قصة عمر كنت أريدهُ يدل على أنه لم يبق مايسع إلاموضع قبر واحد فهو يغاير قولها عند وفاتها لاتدفني عندهم، فإنه يشعر بأنه بقي من البيت موضع للدفن، والجمع بينهما أنها كانت أولاً لاتظن أنه لايسع إلا قبراً واحداً، فلما دفن ظهر لها أنه هناك وسعاً لقبر آخر. [فتح الباری:۳/۴۸۸]

امام ابن التین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان ''میں خود وہاں دفن ہونا چاہتی تھی'' دلالت کرتا ہے کہ وہاں صرف ایک قبر کی جگہ باقی رہی تھی، اور یہ فرمان وفات کے وقت کے اِس فرمان کے خلاف ہے کہ ''مجھے اِن حضرات کے ساتھ دفن نہ کرو'' یہ بتاتا ہے کہ کمرے میں دفن کی جگہ باقی تھی، دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ پہلے ان کا یہ گمان تھا کہ صرف ایک قبر کی گنجائش ہوگی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو ان کے سامنے ظاہر ہوا کہ وہاں ایک اور قبر کی گنجائش بھی ہے۔

یہاں ذہن میں رہے کہ علامہ ابن التین رحمہ اللہ دراصل بخاری کی دو حدیثوں میں تطبیق دے رہے ہیں ایک ام المؤمنین کا فرمان ہے **كنتُ أريدهُ** (میں خود روضہ مبارکہ میں دفن ہونا چاہتی تھی، بخاری: ۱۳۹۲) یہ ظاہر کرتا ہے کہ صرف ایک قبر کی گنجائش تھی جس کی انہوں نے اپنے لیے خواہش کی تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دفن کی اجازت دی تو گویا اب اور جگہ (سوائے عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کے) باقی نہیں، دوسرا ان کا فرمان ہے: **لاتدفني معهم وادفني مع صواحبي.** (مجھے حضور ﷺ و شیخین کے ساتھ دفن نہ کرنا بخاری:۱۳۹۱) جو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد قبر کی جگہ باقی تھی اور ام المؤمنین دفن ہو سکتی تھیں، مگر فرمادیا کہ مجھے اِن حضرات کے ساتھ دفن نہ کرنا، تو دونوں میں تعارض کو امام ابن التین نے ختم کرنا چاہا کہ حل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن سے پہلے ام المؤمنین سمجھتی تھیں کہ صرف

ایک قبر کی گنجائش ہے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد مزید ایک اور قبر کی گنجائش معلوم ہوئی تب فرمایا دیا کہ مجھے اُس باقی جگہ میں دفن نہ کرنا۔

امام ابن التین کی پوزیشن شیخ چلی جیسی ہے: قاضی جی کا تبصرہ:

نامعلوم قاضی جی کو اس تطبیق سے کیا خار آئی کہ کہتے ہیں: (ابن التین نے جو تطبیق دی ہے) اس کی علمی دنیا میں تو کوئی حیثیت نہیں ہے البتہ شیخ چلی کی دنیا میں اس قسم کی تطبیق کی خوب آؤ بھگت ہوتی ہے۔ [علمی محاکمہ: ۵۸۹]

حالاں کہ امام ابن التین اکیلے نہیں ہیں بلکہ علامہ خطیب قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں یہی تطبیق ذکر کی، پھر ابن التین بے چارے نے جنگ جمل کی بحث ہی نہیں کی، تو قاضی جی کے نزدیک ان کی حیثیت گویا شیخ چلی جتنی کیوں ہے؟ **لاحول ولاقوۃ إلاباللہ.** دراصل امام ابن التین کی بات سے خود بخود واضح ہوتا تھا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا چاہتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد بھی دفن ہو سکتی تھیں، مگر اظہار عاجزی کرتے ہوئے (یا حیاء کرتے ہوئے) اپنے دفن کیے جانے سے روک دیا۔ اس میں امام ابن التین بے چارے کا قصور کیا ہے؟ کیا قاضی جی کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں؟ یا اُن کے مقابلہ میں قاضی جی کی بڑی حیثیت ہے؟ آپ مطالعہ کے زور میں اتنے گھمنڈ میں آگئے کہ اب ابن التین آپ کی زبانی شیخ چلی ٹھہرا؟ افسوس!! پھر جب خود قاضی صاحب نے امام ابن التین کی ایک توجیہ ذکر کر دی کہ انہوں نے وہاں دفن نہ کیے جانے کی وصیت اس لیے کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجنبی تھے تو وہاں دفن ہونا مناسب نہیں سمجھا، اب اس توجیہ کو سامنے رکھنے کے بعد قاضی جی کے دل میں ابن التین کا احترام ہونا چاہیے تھا مگر جناب کا یہ تبصرہ ان کے احترام کے خلاف ہے، اسلاف کی بے احترامی کا نتیجہ سخت نقصان ہے، قاضی جی کو یہ بے ادبیاں چھوڑ دینی چاہییں۔

قاضی جی کی ایک اور خیانت:

یہاں امام ابن التین کی دوسری توجیہ میں (لامع الدراری سے نقل کرتے ہوئے) قاضی صاحب نے لکھا کہ ''علامہ ابن التین نے یہ روایت بھی بیان فرمائی کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے ان کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کی، تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہاں تو میری، ابوبکر، عمر اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی قبروں کے علاوہ کسی اور کی قبر کی گنجائش ہی نہیں۔ [علمی محاکمہ: ۵۹۲]

حالانکہ حضرت علامہ گنگوہی رحمہ اللہ نے ابن التین سے نقل کرتے ہوئے یہ لفظ بھی تحریر کیے ہیں:

فی حدیث لایثبت [علمی محاکمہ: ۵۹۱، الکنز المتواری: ۳۲۰/۷] روایت ثابت نہیں ہے۔

اس کو قاضی جی نے ہضم کر دیا اور ترجمہ تک چھوڑ دیا، اور کہہ دیا کہ جی اس ممانعت کے بعد وہاں دفن ہونے کا ارادہ ہی کیونکر کر سکتی تھیں؟ جناب جب یہ حدیث ہی ثابت نہیں تو آپ کی اس عقلی تقریر میں کتنا وزن ہے؟

امام ابن التین سے ایک اور توجیہ و تطبیق میں نقل ہے کہ فرماتے ہیں:

أوأن الذی آثرته به المکان الذی دفن فیه من وراء قبر أبیها بقرب النبی ﷺ و ذلک لاینفی وجود مکان آخرفی الحجرة. [وفاء الوفاء :۱۲۱/۲] یا یہ تطبیق ہے کہ جس جگہ ان کو ترجیح دی وہ جگہ ہے جس میں وہ دفن ہوئے جواُن کے والد کی قبر کے پیچھے نبی کریم ﷺ (کی قبر) کے قریب ہے، اور یہ بات حجرہ میں مزید جگہ باقی ہونے کی نفی نہیں کرتی۔

یعنی بہرحال اُن کی قبر کی گنجائش بھی تھی مگر انہوں نے وہاں دفن نہ کئے جانے کی وصیت فرمائی۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے متعلق متعدد کتابوں میں ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجرہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت مانگی تھی اور انہوں نے اجازت بھی دی تھی، مگر دفن نہ ہو سکے۔[الاستیعاب:۱۹۲/۱، ۱۹۳، اسد الغابہ:۱۳/۲، تاریخ الخمیس:۲۹۳/۲، الکامل لابن اثیر: ۵۸/۳، جس کو بغیر ثبوت کے قاضی جی من گھڑت کہتے ہیں، علمی محاکمہ:۵۹۵] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو وفات کے وقت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیجا تھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن ہونا چاہیں تو تشریف لائیں، فرمایا میں آپ کا گھر آپ پر تنگ نہیں کرتا۔ [وفاء الوفاء:۱۲۱/۲، الریاض النضرۃ:۳۱۴/۴، ۳۱۵، شفاء الغرام باخبار البلد الحرام:۴۶۷/۲ محمد بن احمد تقی الدین فاسی م۸۳۲ھ] یہ واقعات بھی ظاہر کرتے ہیں کہ مزید ایک قبر کی گنجائش تھی، مگر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے غلبہ خشیت وحیاء کی وجہ سے وہاں دفن نہ کیے جانے کی وصیت فرمائی، اس کو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی ندامت پر محمول کیا گیا ہے۔

اہلحدیث عالم جناب ناصر الدین البانی صاحب نصب الرایہ[۶۹/۴، ۷۰] سے نقل کرتے ہیں کہ امام زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد أظهرت عائشة الندم کما أخرجه ابن عبدالبر فی کتاب الاستیعاب عن ابن أبی عتیق وهو عبدالله بن محمد بن عبدالرحمن بن أبی بکرالصدیق قال: قالت عائشة لابن عمر: یا أباعبدالرحمن! مامنعک أن تنهانی عن مسیری؟ قال رئیت رجلاً غلب علیک یعنی ابن الزبیر. [وظننت أنک لاتخالفینه یعنی ابن الزبیر] فقالت: أما والله لونهیتنی ماخرجتُ، ولهٰذا الأثرطریق أخریٰ، فقال الذهبی فی سیر النبلاء:۲/ ۷۸، ۷۹] وروی إسماعیل بن علیة عن أبی سفیان بن العلاء المازنی عن ابن أبی عتیق قال قالت

عائشة: إذا مر ابن عمر فأرنيه، فلما مر بها قيل لها: هذا ابن عمر، فقالت: يا أبا عبدالرحمن! مامنعك أن تنهاني عن مسيرى؟ قال رأيتُ رجلاً قدغلب عليكِ يعنى ابن الزبير. [سلسلة الأحاديث الصحيحة :۱/۸۸۴،۸۸۵،الاستيعاب:۲/۱۴۸،ترجمه عبدالله بن زبيرتاريخ دمشق لابن عساكر:۳۱/۱۱۰]

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ندامت کا اظہار کیا تھا جیسا کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے استیعاب میں ابن ابی عتیق سے روایت کیا ہے کہ ام المؤمنین نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ابوعبدالرحمٰن! آپ نے مجھے (جنگ جمل میں) جانے سے کیوں نہ روکا تھا؟ فرمایا: میں نے دیکھا کہ آپ پر ایک آدمی یعنی عبداللہ بن زبیر غالب آگیا اور میرا خیال تھا کہ آپ اس کے خلاف نہ کریں گی، فرمایا: اللہ کی قسم اگر آپ مجھے روکتے تو میں نہ نکلتی، اس روایت کی دوسری سند بھی ہے، جو امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں (اور تاریخ ابن عساکر میں) ذکر کیا ہے۔

اس روایت سے بھی ان کا نادم ہونا ثابت ہوتا ہے، اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مدینہ طیبہ سے نکلنے کے لئے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے سے مغلوب ہوئی ہوں یا نہ، مگر حوأب مقام سے ان کی رائے بدل گئی تھی، اور واپسی کرنا چاہتی تھیں مگر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی رائے کی وجہ سے واپس نہیں ہو سکیں، ان کی رائے تھی کہ آگے چلنے میں مصلحت ہے، گو اس رائے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی خطاء ہوئی اگر چہ نیت درست تھی۔

محمد بن قیس سے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جنگ جمل کا تذکرہ ہوا تو اس کو یوم الجمل کہا گیا تو پوچھا کہ: لوگ اس کو یوم الجمل کہتے ہیں؟ حاضرین نے بتایا جی ہاں، فرمایا:

وددت أني كنت جلستُ كما جلس أصحابي، فكان أحب إليّ من أن أكون ولدت من رسول الله ﷺ بضعة عشر رجلاً كلهم مثل عبدالرحمن بن الحارث بن هشام أومثل عبدالله بن الزبير. [تاريخ دمشق :۳۴/۲۷۴] میری تمنا ہے کہ (کاش) میں بیٹھی رہتی جیسے میرے ساتھ والے (اہل بیت) بیٹھے رہے، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میرے رسول اللہ ﷺ سے دس سے اوپر بچے پیدا ہوتے جو سب کے سب عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام یا عبداللہ بن زبیر جیسے ہوتے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 2 پر)

وفات

عمران صاحب اٹک کے خالہ زاد بھائی رحمہ اللہ

قارئین سے مرحوم کی مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

ملفوظات حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ

☆......آج کل تصوف کے نام پر کئی جدتیں اور بدعتیں ہمارے اندر بھی داخل ہونا شروع ہوگئی ہیں۔ جو کہ ہمارے اکابر کے ہاں نہیں تھیں۔ منجملہ ان میں ایک یہ (ہے) کہ آج کل اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات چھپتے ہیں کہ فلاں حضرت، فلاں مقام پر، فلاں وقت تشریف لائیں گے، مجلس ذکر ہوگی، مراقبہ ہوگا، اوراس کے ساتھ ساتھ ان کی تصویریں چھپتی ہیں، ان کی ویڈیو بنتی ہے۔ جب یہ خرافات ہوں گی تو روحانیت اور دلوں کی صفائی کیسے ہوگی؟ [ماہنامہ لولاک، حکیم العصر نمبر: ۲۲۵]

☆......حضرت خواجہ خان محمد رحمہ اللہ نے صحیح اُصولوں اور اکابر کی ہدایات کے مطابق خانقاہی نظام کو چلایا۔ اس میں کوئی ایک واقعہ معلوم نہیں کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے نام سے ''مجلس ذکر اور مراقبہ'' کا اشتہار چھپا ہو۔ [ایضاً] (اگر کسی نے چھپوایا بھی ہو تو اُن کی اجازت اور اُن کے علم میں لائے بغیر چھپوایا ہوگا۔)

☆ہمارے کچھ اہل تصوف شاگرد ہیں۔ اب انہوں نے مدارس کے اجتماعات میں اسپیکر میں اجتماعی ذکر کرانا شروع کر دیا ہے۔ میں نے کئی مقامات پر ان کو روکا بھی۔ لیکن وہ اس کا زیادہ اثر ہی نہیں لیتے۔ [ایضا]

☆......ایک طالب علم نے سوال کہ استاذ جی! ذکر بالجہر کرنا کیسا ہے؟ آج کل جیسے تاریخ متعین کی جاتی ہے اور وقت بھی متعین کیا جاتا ہے اور سب لوگ آواز ملا کر لاؤڈ اسپیکر پر ذکر کرتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

حضرت استاذ جی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس طرح ذکر کرنا ٹھیک نہیں۔ اس طریقے سے ذکر کرنا نہ صحابہ سے ثابت ہے اور نہ ہی ہمارے اکابرین سے۔ البتہ ہمارے اکابرین چھوٹے چھوٹے کمرے بناتے تھے جس میں صرف دو تین آدمی آسکتے تھے، ان کمروں میں بیٹھ کر الگ الگ ذکر کرتے تھے۔ اور آج کل تو مجلس ذکر کے نام پر لوگ اشتہار چھپواتے ہیں۔ یہ بالکل جائز نہیں۔ بلکہ بدعت ہے۔

[ملفوظات حکیم العصر: ۱۳۰]

☆......جتنا کوئی بزرگ ہوگا، اس کی تصویر اتنا ہی دل دماغ پر اثر ڈالے گی، جب آپ گھر جائیں گے، دیوار پر آپ کے پیر کی تصویر لگی ہوئی ہوگی تو جاتے ہی عظمت کے ساتھ آپ کا سر یوں ہو جائے (جھک جائے) گا، محبت کے ساتھ آپ اس پر نظر ڈالیں گے، احترام کرتے ہوئے آپ کا سر نیچا ہوگا، سر نیچا ہوا تو شرک آ گیا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ گھوڑے گدھے کی تصویر لگی ہوئی ہو تو اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا کسی بزرگ کی تصویر لگی ہوئی ہو تو دل پر اثر ہوگا۔ اس لیے بزرگ کی تصویر زیادہ حرام ہے۔ بمقابلہ گھوڑے گدھے کے۔ یہ بات سمجھ رہے ہو؟ صاف صاف بات ہے۔ گدھے گھوڑے کی تصویر کو دیکھ کر کبھی دل کے اندر اس کی عظمت نہیں آسکتی، اور انسان کا سر نہیں جھک سکتا، لیکن ولی کی تصویر دیکھ کر عظمت آتی ہے۔ [حکیم العصر نمبر: ۴۳۱]